کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:17 Issue:4 April 2024

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ



درسِ قرآن

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ (سورۃ الزمر)

ترجمہ: کہہ دو کہ: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقین جانو! اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

توضیح: رمضان المبارک کے آخری ایام چل رہے ہیں یہ وہ عشرہ ہے جس میں پاک پروردگار اپنے قدرداں بندوں کو جہنم سے خلاصی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں اللھم اجعلنا من عتقاء النار بحرمۃ سید الابرار ﷺ یہ باری تعالیٰ کا اپنے گنہگار بندوں پر بڑا فضل وکرم ہے کہ وہ ایسے مواقع فراہم کرتے رہتا ہے جس کی قدر کرکے بندہ اپنے معاصی سے پاک وصاف، مغفور ومرحوم ہوجاتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت وشان کریمی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو پوری زندگی توبہ ورجوع کا موقع دیتا رہتا ہے کہ جب کبھی دل میں غیرت آئی اور وہ خوف خدا سے لرزاں وترساں ہوا تو وہ فوراً ندامت وشرمندگی کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت بخشنے والا پاتا ہے لیکن یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیے جس ندامت وشرمندگی سے گناہ معاف ہوتے ہیں وہ سچے دل سے ہو اور آئندہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ ہو اور اس گناہ کا تعلق بندوں کی حق تلفی کی صورت میں نہ ہو، اسی توبہ کو ''توبۃ النصوح'' کہا گیا ہے، مقبول توبہ کی تین علامتیں بلکہ وہ اس کی لازمی شرطیں ہیں: اول یہ کہ گناہ سے رک جائے، دوسرے یہ کہ صدق دل سے توبہ کرے، تیسرے یہ کہ دوبارہ اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔ اگر بہت کوشش کے بعد بھی گناہ دوبارہ سرزد ہوجائیں تو پھر توبہ کرنے میں عار محسوس نہیں کرنا چاہیے، جتنی بار ارتکابِ معصیت ہواتنی ہی

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس گھٹکیسر

بار بلا کسی تاخیر کے انابت الی اللہ بھی ہونا چاہیے اور یہ ادا اور یہ تڑپ عنداللہ بہت محبوب بھی ہے، کثرت استغفار کی برکت سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندے کے قلب میں ترکِ معصیت کا داعیہ پیدا کر دیا جاتا ہے اسی کو خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے جذب سے بھر پور منظوم کلام میں یوں ارشاد فرمایا۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہ ہرحال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

لیکن گناہ پر اصرار کرنا، اور نڈر و بے باک ہو جانا، رحمت باری تعالیٰ سے مایوس ہو جانا، ایک مومن بندے کی شان نہیں ہے، عبدیت و بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ حتی المقدور خطاؤں سے دوری بنائے رکھے، اس کے باوجود بھی غلطی ہو جائے تو توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرے کیوں کہ پتہ نہیں ہے کہ زندگی کا چراغ کب بجھ جائے۔

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

رمضان المبارک کے مہینہ میں ماحول ہی کچھ ایسا سازگار ہوتا ہے کہ نیکی کرنا آسان، گناہ کرنا مشکل بن جاتا ہے، یہ رب تعالیٰ کی تربیت کا نتیجہ ہے عامی مسلمان بھی ثواب سے اپنی جھولی بھرتا ہے اس خدائی سوغات اور تحفۂ باری تعالیٰ کو سنبھال کر سال کے 11 ماہ احتیاط کے ساتھ وقت گزاریں گے تو یہ ہمارے لیے اجر عظیم، قربِ خداوندی اور روحانی ارتقا کا ضامن ہوگا اسی لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارے اسلاف نے کچھ تدابیر بتلائی ہیں جن کو اختیار کر کے مابعد رمضان بھی ہم تقویٰ وطہارت والی زندگی گزار سکتے ہیں:

(۱) سچی توبہ کے بعد پچھلے گناہ کو یاد نہ کریں نہ کسی سے اس کا ذکر کریں۔(۲) جو گناہ ہوئے ہیں اس کے اسباب کے قریب بھی نہ جائیں۔(۳) کسی متبع سنت اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم کریں اور سے اپنے روحانی امراض اور گناہوں کی اصلاح کرواتے رہیں۔(٤) جتنا ہو سکے اپنی نشست و برخاست نیک لوگوں کے ساتھ رکھیں۔(٥) جب بھی کوئی گناہ کا خیال دل میں آئے تو یہ تصور کرے اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ مجھے عذاب دینے پر قادر ہے اگر گناہ سرزد ہو گیا تو دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مخلوق کے سامنے بھی رسوائی ہوگی۔ اللھم اجعلنا من عبادک الصالحین واحشرنا فی زمرۃ الذین یقال لھم: لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ آمین



درسِ حدیث

راہِ علم دین کا مسافر مجاہد فی سبیل اللہ ہے

از: حضرت مولانا محمد مصدق القاسمی*

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم دین کی طلب وتحصیل میں نکلا تو وہ جب تک (اپنی منزل) کو واپس نہ آجائے اللہ کی راہ میں ہے۔

تشریح: جو بھی دین وشریعت کا علم حاصل کرنا چاہے وہ علم فرض عین ہو یا فرض کفایہ اپنے گھر یا اپنے وطن یا شہر سے نکلا تو اس کے لیے ایسا ثوابِ عظیم ہے گویا وہ جہاد فی سبیل اللہ میں ہے یعنی اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے راستے میں جان نچھاور کرنے اور دین کی سربلندی کے لیے دین کے راستے میں لڑنے والے کے برابر ہے، جس طرح ایک مجاہد اشاعتِ دین کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے گھر بار، اہل وعیال اور دنیا کی ساری لذتوں کو چھوڑ کر راہ خدا میں نکلتا ہے اسی طرح ایک طالب علم بھی اللہ کے دین کو پھیلانے کی غرض سے سیکھنے کے لیے گھر سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکلتا ہے۔ شیطان کو ذلیل کرنے اور اپنے نفس کو مارنے ہی کے لیے گھر سے نکلتا ہے اور سفر کی تمام تکلیفوں کو جھیلتا ہے۔ لہذا وہ بھی گھر واپس لوٹنے تک مجاہد کا ثواب پاتا رہتا ہے اس حدیث میں ایک بات تو واضح ہے کہ طالب علم گھر لوٹنے تک تو مجاہد کا درجہ حاصل کرتا ہے لیکن جب علم دین سے فراغت پاکر باقاعدہ علوم سے آراستہ ہو کر گھر واپس ہوتا ہے تو اس سے بھی بڑا درجہ پاتا، کیوں کہ وہ ناقص سے کامل بن گیا، ناقص کی صورت میں یہ مقام ہے تو کامل کی صورت میں اس کا مقام ومرتبہ بلند اتنا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک میں انبیاء کا وارث بن جاتا ہے کیوں کہ اب وہ اس دین کی ترویج واشاعت میں اپنی صلاحیت لگاتا ہے تو انبیاء کی نیابت کا کام انجام دیتا ہے۔ اس لیے طلبۂ علم دین کو علوم دینیہ کی تحصیل میں اس جذبہ کے تحت

* ناظم دعوہ اسلامک اکیڈمی، حیدرآباد

رہنا چاہیے کہ وہ اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں اور علم کے حصول کا جذبہ اتنا زیادہ ہو کہ کسی بھی مرحلہ پر اس کی طلب کی تکمیل اور اس کی جستجو کی تسکین کم نہ ہوتی ہو، پھر یہاں تک کہ علم کی طلب وجستجو میں وہ اپنا عرصۂ حیات پورا کر کے اس دنیا سے چلا جائے پھر بھی اس کے علم کی پیاس نہ بجھے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کا پیٹ خیر کی بات سننے (یعنی دین کا علم حاصل کرنے) سے کبھی نہیں بھرتا۔ یہاں تک کہ جنت ہی اس کی منتہا ہوتی ہے۔

یہ حدیث طالبان علم دین کے لیے ایک عظیم بشارت رکھتی ہے کہ وہ انشاء اللہ اس دنیا سے باایمان رخصت ہوں گے اور حسن خاتمہ سے نوازے جائیں گے۔ اسی لیے بہت سے اہل اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ساری زندگی طالب علم بنے رہے اور علم کے بہت سے میدانوں میں کمال حاصل کر لینے کے باوجود وہ عمر کے آخری حصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہے تاکہ اس درجہ کو حاصل کر لیں جس کی اس حدیث میں بشارت ہے درحقیقت علم کا سمندر اتنا وسیع ہے کہ طلب علم کا مفہوم علمی مشغولیتوں کی ہر صورت پر پورا اترتا ہے۔ خواہ وہ تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو اس اعتبار سے علمی مشغولیت کی کوئی صورت بھی ہو اس پر اس حدیث میں بشارت کا حقیقتاً اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی احادیث مبارکہ فضیلت علم دین کے بارے میں کتب احادیث میں متعدد ہیں۔

کاش! علم دین کے حصول میں نکلنے والے طلبۂ کرام ہمیشہ اس کو مستحضر رکھے ہوتے تو علم میں وہ کیفیت پیدا ہوسکتی جو پچھلے زمانوں میں اسلاف کے اندر موجود تھی آج حصولِ علم دین کے اندر ایسا جذبہ انتہائی ماند پڑ گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طالبان علوم دینیہ نے تاجدار مدینہ احمد عربی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ کو پس پشت ڈال دیا جو بشارتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ انھوں نے سرپرستوں کے دباؤ یا کسی وجہ سے علم دین کا راستہ متعین کر لیا اس کی اہمیت وافادیت کو سمجھتے ہوئے پڑھنے آتے تو از ابتدا تا انتہا اس علم کے حصول میں وہ لگن، جستجو اور فکر ہوتی جو ایک سچے طالب علم میں ہونی چاہیے۔

مدارس دینیہ کا آغاز ہو چکا ہے طلبہ مدارس میں اپنے شہر اور گھر کو چھوڑ کر مجاہدے سے مدارس میں پہونچ چکے ہیں تو وہ تمام ان احادیث کا مطالعہ ایک دفعہ کر لیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم دین کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمائی تاکہ نیت صادق اور طلب صادق کے ساتھ اس اہم راستے میں لگے رہنے کی توفیق عطا ہو۔

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ

پیش گفتار

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وبہ نستعین

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد سے اس عاجز نے آج سے ۳۱ سال قبل محرم الحرام ۱۴۱۴ھ م جون ۱۹۹۳ء میں ایک ماہ نامہ ''اشرف العلوم'' کے نام سے شروع کیا تھا جو باقاعدہ نہ تھا، پھر ''الاشرف'' کے نام سے باقاعدہ رجسٹرڈ جریدہ کا آغاز کیا گیا، وہ بھی جنوری سن ۲۰۰۱ء میں کسی قانونی نقص کی بنا مسدود ہوگیا اور ۶/سال تک مسدود رہا، احباب کے مسلسل اصرار پر نئے سرے سے قانونی چارہ جوئی کرکے نئے نام کے ساتھ ''اشرف الجرائد'' کا آغاز ۲۰۰۷ء میں ہوا جو بحمداللہ پورے استقامت وکامیابی کے ساتھ ۱۸/برس تک نکلتا رہا اور ابھی اپریل ۲۰۲۴ء کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

گزشتہ سال دہلی سے اطلاع ملی کہ ان کے ہاں رسالے کا قانونی ریکارڈ نامکمل ہے، اس کی درستگی کی جائے ورنہ پرمیشن منسوخ کردیا جائے گا، جب کہ غور کرنے سے کوئی بات خلاف ضابطہ ہمارے علم میں نہ آسکی، کیوں کہ سب کچھ صحیح چل رہا تھا، اور اسی وجہ سے پوسٹنگ پرمیشن بھی مل رہا تھا، بہرحال ایک صاحب کو رمضان المبارک ہونے کے باوجود دہلی بھیج دیا گیا، انہوں نے کئی دن رہ کر اور بیجا نخروں کو گوارا کرتے ہوئے تمام دستاویزات اور ریکارڈ کو ازسرِنو مرتب کروا دیا، جس پر ایک لاکھ روپے کا خرچ آیا، صورتِ حال یہ ہے کہ وجوہات پوچھنا نہیں ہے، احکامات تسلیم کرتے جانا ہے، محکمے کی شکایات کا سلسلہ ایک سال گزر جانے کے باوجود تاہنوز جاری ہے۔

وقت اور پیسے کے ضیاع کو دیکھتے ہوئے ــــ جب کہ ویسے بھی رسالہ خسارے ہی میں چلتا رہتا ہے ــــ مشورے سے یہی طے پایا کہ ماہنامے کو بند کردیا جائے اس کے بجائے مختصر سا برقی جریدہ ہر ماہ سوشل میڈیا پر پوسٹ کردیا جائے، کاروائی جاری ہے ممبران کی اطلاع کے لیے یہ سطریں سپرد کررہا ہوں۔

والسلام

محمد عبدالقوی

۲۵/رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ

گوشہ سیرت

کیا تم میرے دوست کو ستانا نہیں چھوڑو گے؟

از: مولانا محمد الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی*

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف فرما ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آج صرف ابودرداءؓ ہی ہیں، اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ غصہ میں اپنی چادر کا ایک کونہ ہاتھ میں پکڑے آرہے ہیں اور ان کا گھٹنا کھلا ہوا ہے، ان کی اس حالت کو دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ گئے کہ آج ان کی کسی سے اَن بن ہوگئی ہے، جب وہ مجلس میں پہنچے تو سلام کے بعد کہنے لگے:۔آج مجھ میں اور عمر بن خطابؓ میں کچھ سخت سست بات ہوگئی، پھر مجھے جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے ان سے معافی مانگی، لیکن انھوں نے مجھے معاف نہیں کیا، اس لیے میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اے ابوبکر! اللہ تم کو معاف کرے، یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دفعہ دہرایا۔

ادھر عمر بن خطابؓ کو بھی جب اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو وہ بھی دوڑے دوڑے معافی مانگنے صدیق اکبرؓ کے گھر پہنچے، لیکن وہ وہاں ان کو نہیں ملے تو سیدھے دربارِ نبوت میں پہنچ گئے، ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا جس پر صدیق اکبرؓ کو ڈر لگا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر کو ڈانٹ نہ دیں۔

اب مجلس میں دونوں دوزانو بیٹھے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا یہی کہنا تھا کہ سرکار! مجھ ہی سے غلطی ہوگئی تھی، ان کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن خطابؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔سنو! جب میری بعثت ہوئی تو شروع میں سب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، صرف ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی، مجھ پر ایمان لائے اور اپنی جان و مال کو مجھ پر نچھاور کردیا، کیا تم میرے اس دوست کو ستانا نہیں چھوڑو گے؟!

یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دومرتبہ دہرایا۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب:۳۶۶۱)

(ماخوذ از: مجالس نبوی، ص:۱۵۷)

* استاذِ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت اُم ابان بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: ام ابانؓ؛ عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی، حضرت امیر معاویہؓ کی خالہ، حضرت ابوسفیانؓ کی اہلیہ اور امیر معاویہؓ کی والدہ ہند بنت عتبہ کی بہن ہوتی ہیں۔ان کے ماں شریک بھائی مشہور صحابی مصعب بن عمیرؓ ہیں، اسی طرح باپ شریک بھائی صحابی ابوحذیفہ بن عتبہؓ ہیں۔آپ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے، ام ابانؓ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف قریشی عبشمی۔ (اسد الغابۃ، اُم ابان بنت عتبہ: ۷/ ۲۸۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ان کی والدہ کا نسب: خناس بنت مالک بن مضرب بن عمرو بن حجیر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی قریشیہ ہیں۔عجیب بات ہے کہ غزوۂ بدر میں کفار کی جانب سے ان کے والد عتبہ بن ربیعہ، ان کے چچا شیبہ بن ربیعہ، باپ شریک بھائی ولید بن عتبہ، ماں شریک بھائی ابوعزیز زرارہ بن عمیر بن ہاشم اور ماما خناس بن شیبہ شریک تھے، اسی طرح مسلمانوں کے لشکر میں ان کے خاندان سے اسلام کی دولت سے سرفراز اشخاص ان کے چچا معمر بن حارثؓ، باپ شریک بھائی ابوحذیفہ بن عتبہؓ، ماں شریک بھائی مصعب بن عمیرؓ، ماما عبداللہ بن سہیلؓ شریک تھے"وأحد خاليها مع رسول الله ﷺ عبد الله بن سهيل بن عمرو۔۔۔ والخال الآخر مع المشركين أبو خناس هو شيبة بن مالك بن مضرب" (المحبر لأبی جعفر البغدادی، ۱/ ۴۰۰، دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت)

ام ابانؓ اسلامی تاریخ کی وہ پہلی ایسی خاتون ہیں جن کے دو بھائی غزوہ بدر میں مشرکین کے ساتھ شریک تھے، اور دو بھائی مسلمانوں کے لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، ان کے ایک چچا مشرکوں کے ساتھ تھے اور ایک چچا مسلمانوں کے ساتھ تھے، اسی طرح ان کے ایک ماما مشرکین کے ساتھ تھے اور ایک ماما مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھے۔

نکاح اور قبول اسلام: ان کا پہلا نکاح صحابیٔ رسول ابان بن سعید بن العاصؓ بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی قریشی اموی سے ہوا، شوہر نے حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

قبول کیا، اسی درمیان وہ بھی مشرف باسلام ہوگئیں۔حضرت ابان اکابرین قریش اوراجل صحابہ میں شمار ہوتے تھے، وہ شام میں اپنے شوہر کے ساتھ تھیں، کہا جاتا ہے وہ اپنی شوہر کے ساتھ صرف دورات رہ سکیں، ان کے شوہرابان بن سعید جنگ اجنادین میں شہید ہوگئے۔(اسد الغابۃ، ابان بن سعید:۱/ ۱۴۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

جرأت وبہادری

دمشق کی لڑائی میں جب ابان بن سعید نے جام شہادت نوش کیا، حاکم دمشق کے ہاتھوں شہید ہوگئے، حضرت ام ابان نے تہیہ کرلیا کہ وہ اپنے شوہر کا انتقام لئے بغیر نہ رہیں گی، چنانچہ انہوں نے اپنے شہید شوہر کے ہتھیار زیب تن کر کے میدان جنگ میں پہنچ گئیں، اور دیر تک رومیوں سے مقابلہ کرتی رہیں، رومیوں نے شہر میں گھس کر دروازے بند کر لئے، اور فصیل و برجوں سے مقابلہ سے مسلمانوں پر تیراور پتھر برسانے لگے، ایک برج میں ان کا ایک بڑا پادری طلائی صلیب ہاتھ میں لئے فتح کی دعا مانگ رہا تھا، حضرت ام ابان بڑی ماہر تیرانداز خاتون تھیں، انہوں نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر گیا، مسلمانوں نے دوڑ کر اسے اٹھالیا، اس پر رومیوں نے مشتعل ہو کر شہر کا بڑا دروازہ کھول دیا اور باہر نکل کر مسلمانوں سے دوبدو مقابلہ کرنے لگے، ام ابان نے رومیوں پر تیر کی ایسی بوچھار کردی وہ تلملا اٹھے، لیکن حاکمِ دمشق ''توما'' کسی بھی قیمت پر پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھا، حضرت ام بان نے نشانہ لگا کر اس کی آنکھ میں ایسا تیر امارا کہ وہ چیختا ہوا پیچھے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، اس وقت ام ابان نے یہ رجز یہ کلمات پڑھے

ام ابان ثبارک۔۔۔ صولی علیہم صولۃ المتدارک۔۔ قد ضجّ جمع القوم من نبالک

(ام ابان! تو اپنا انتقام لے، ان پر پے در پے حملے کئے جا، رومی تیرے تیروں سے چیخ اٹھیں)

اس کے علاوہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ام ابان نے جنگ ''شحور'' اور جنگ ''انطاکیہ'' میں بھی جرأت و بہادری کے بڑے جوہر دکھائے، دشمنوں کو ناکوں چنے چبوائے۔(دیکھئے تذکار صحابیات: ۵۷۴، البدر پبلی کیشنز، لاہور)

حضرت طلحہ سے نکاح

شوہر کی شہادت کی بعد مدینہ منورہ واپس آئیں، مدینہ منورہ میں شادی کے لئے ان کے پاس کبار صحابہ، عشرۂ مبشرہ میں سے کبارِ صحابہ کے پیغامات آئے جن میں عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ شامل تھے، ام ابان نے ان میں طلحہ بن عبید اللہ کے پیغام نکاح کو قبول کیا اوران سے نکاح ہوا۔

ان کے پیغام نکاح کے حوالے سے تاریخ دمشق میں یہ لکھا ہے کہ، موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب نے ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کو پیغام نکاح دیا، تو انہوں نے انکار کردیا، ان

سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''ان دخل ببأس، وإن خرج ببأس، قد أذله أمر آخرته عن أمر دنياه، كأنه ينظر إلى ربه بعينه'' (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت یہ ہے کہ نہایت غصہ میں گھر میں داخل ہوتے ہیں، غصہ سے نکلتے ہیں، ان کے آخرت کے معاملہ نے ان کو ان کے دنیا کے معاملات سے غافل کر دیا ہے، گویا وہ اپنے رب کو اپنے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں) پھر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا تو انکار کر دیا وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: ''ليست لزوجه منه إلا شارة فی قراملها'' (ان کی جانب سے ان کی بیوی کو فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا تو انکار فرما دیا، دریافت کرنے پر بتلایا: ''ليس لزوجته منه إلا قضاء حاجته'' (وہ صرف اپنی بیوی سے اپنی حاجت کی تکمیل کرتے ہیں) پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے پیغام نے نکاح دیا تو فرمایا: یہ حقیقت میں میرا شوہر ہو سکتا ہے، دریافت کرنے پر بتلایا کہ ''إنی عارفة بخلائقه، إن دخل ضحاكا، وإن خرج خرج بساما، إن سألت أعطى، وإن سكت ابتدأ، إن عملت شكر، وإن أذنبت غفر'' (میں ان کے اخلاق سے واقف ہوں، اگر وہ گھر میں داخل ہوتے تو ہنستے ہوئے، نکلتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، میں مانگتی ہوں تو دیتے ہیں، اگر میں خاموش ہو جاتی ہوں تو ابتداء کرتے ہیں، اگر میں کچھ کرتی ہوں تو اس کو سراہتے ہیں، کچھ غلطی ہو جاتی ہے تو درگزر کرتے ہیں) یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اس سلسلے میں دریافت کیا کہ آپ کو امیر المؤمنین، سید المسلمین نے پیغام نے نکاح تو انکار کر دیا تو فرمایا: بات ویسی ہی تھی جیسے میں نے بتلایا، پھر دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی، آپ کے خاص حواری، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پیغام نے نکاح دیا تو انکار کیا تو فرمایا: بات ویسی ہی تھی، پھر فرمایا: میں نے پیغام نکاح دیا، میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت ورشتہ داری کا تم کو علم ہے تو انہوں نے فرمایا: بات ویسی تھی جیسے میں نے بتلایا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے ہم میں سے ایسے شخص سے نکاح کیا ہے جو نہایت وجیہ وخوبرو، نہایت سخی، داتا شخص ہے جو اس طرح سخاوت کے ساتھ دیتا ہے'' أما والله لقد تزوجت أحسننا وجها، وأبذلنا كفا، يعطى هكذا، وهكذا'' (مختصر تاریخ دمشق للعساکر، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ: ۲۸/ ۱۳۴)

اولاد: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ان کی تین اولادیں ہوئیں، جن میں اسحاق بن طلحہ، یعقوب بن طلحہ اور اسماعیل بن طلحہ شامل ہیں، ام ابان سے کوئی روایت نہیں ملتی۔

وفات: ارباب سیر نے ان کے سن وفات کی صراحت نہیں کی۔

تذکارِ صحابہؓ

سیدنا عیاش بن ابی ربیعہؓ

از: مولانا محمد عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کا شمار اُن مردانِ باصفا میں ہوتا ہے جو سابقین اولین کی فہرست میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، نیز حبشہ اور مدینہ دونوں شہروں کی طرف ہجرت کی سعادت سے مشرف ہیں۔ ابنِ اسحٰق کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق دین اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں حضرت عیاش کا نمبر ستائیسواں اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت سلمہ کا نمبر اٹھائیسواں ہے۔ ۵ رنبوی میں اسلام کی پہلی درس گاہ دارِارقم میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ دامنِ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے، قبولِ حق کی پاداش میں ظلم وستم کی بھٹی میں تپتے رہے، قبیلے والوں نے بھی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہر جانب سے عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی؛ مگر آپ عزم واستقامت کا کوہ گراں بنے رہے تا آں کہ حضور علیہ السلام نے ہجرت حبشہ کا حکم صادر فرما دیا۔

مختصر حالات زندگی:

سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلۂ بنومخزوم سے تھا۔ قریش کا یہ واحد قبیلہ تھا جو شہسواری میں منفرد تھا۔ اس قبیلے کے مرد حضرات طاقت وقوت، شجاعت وبہادری اور شہسواری میں معروف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو بچپن ہی میں اسلحہ، تیراندازی، نشانہ بازی، گھڑسواری اور خطرات میں کودنے کی مہارت اور تربیت دیتے تھے اور جب بچہ ان تربیتی مراحل میں ثابت قدم رہتا تو اسے ان مردوں کی لسٹ میں شامل کرلیا جاتا جو جنگجو اور سپاہی ہوتے تھے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ابوجہل ان کا اخیافی بھائی تھا۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہؓ نے دعوت اسلام کو سنتے ہی لبیک کہا۔ اپنے محروم وبدبخت بھائی کے برعکس عیاش بن ابی ربیعہؓ اسلام کے داعی اور دین کے سپاہی تھے۔ قرآن کو بڑے غور سے سنتے اور راہِ خدا میں مال بھی خرچ کرتے۔ اپنی اہلیہ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی اور یہیں عبداللہ بن عیاش کی ولادت ہوئی۔ (رجال قرآن: 2/132)

شوال ۵ رنبوی میں قریش کے قبول اسلام اور ان کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والا تشدد بند ہونے کی افواہ حبشہ میں موجود مسلمانوں تک پہنچی تو ان میں سے کچھ یہ کہہ کر مکہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے کہ ہمارے کنبے

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ہی ہمیں زیادہ محبوب ہیں۔مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو معلوم ہو گیا کہ جو خبر انھیں سنائی گئی، جھوٹ تھی تو ان میں سے اکثر حبشہ لوٹ گئے۔ابن سعد کہتے ہیں کہ کل تینتیس اصحاب مکہ میں داخل ہوئے اور جب ان کی قوم اور خاندان کی طرف سے اذیت رسانی کا سلسلہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا تو رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں بار دگر حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔یہ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ تھی۔اس اثنا میں کچھ مہاجرین حبشہ کو مشرکوں نے قید کر لیا اور کچھ وہیں ٹھیر گئے۔حضرت عیاش بن ابو ربیعہ اور حضرت سلمہ بن ہشام ان لوگوں میں شامل تھے جو مکہ میں مقیم رہے۔

ہجرتِ مدینہ کا عجیب واقعہ:

اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم نازل ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایما پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی جانب ہجرت کا آغاز کر دیا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہجرت کی۔آپ بتاتے ہیں کہ آپ نے اپنے دو ساتھیوں عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ہشام بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ طے کیا کہ تینوں دوست میضاہ نامی تالاب کے پاس جمع ہوں گے۔(یہ قبیلہ بنی غفار کا تالاب تھا جو سرف کے مقام سے کچھ اوپر مکہ اور مدینہ کی راہ گزر پر واقع ہے۔) طے ہوا کہ وہاں سے ایک ساتھ ہجرت کے لیے روانہ ہوں گے، مزید یہ بھی طے ہوا کہ جو شخص صبح کے وقت تک وہاں نہیں پہنچے گا تو اس کا کچھ انتظار کر کے روانہ ہوا جائے گا اور یہ سمجھ لیا جائے گا کہ جو ساتھی نہیں آیا اس کو مکے والوں نے روک لیا ہے۔کیوں کہ مکے والوں کو معلوم ہو چلا تھا کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی مدینہ کی طرف جا رہے ہیں، اس لیے وہ انہیں ہر ممکن طریقے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔دراصل وہ اس بات سے خائف تھے کہ یہ سب کسی جگہ جمع ہو کر اپنی طاقت مجتمع کریں گے اور پھر پلٹ کر مکہ کی طرف آئیں گے اور یہاں قبضہ کر لیں گے۔

الغرض صبح دم جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور کچھ ہی دیر میں عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی اس تالاب کے کنارے آ گئے تو ہشام ابن العاص کا انتظار ہونے لگا۔کچھ دیر انتظار کیا وہ نہ آئے تو یہ دونوں اصحاب مدینے کو چل نکلے، بعد میں خبر ملی کہ ہشام بن العاص کو اہل مکہ نے محبوس کر دیا تھا۔مدینہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، بنی عمر بن عوف کے ہاں ٹھہر گئے؛ دوسری طرف ابوجہل یعنی عمرو بن ہشام اور حارث بن ہشام دونوں سیدنا عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔

یہاں بڑا دلچسپ قصہ ہوا کہ ان کو تلاش کرتے کرتے ابوجہل اور حارث بن ہشام مدینہ آن پہنچے۔آ کر ان سے ملاقات کی اور عیاش کو کہنے لگے: تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ کر اپنی آنکھیں

ٹھنڈی نہ کرلے گی تب تک وہ اپنے سر میں کنگھی نہیں کرے گی۔

عیاش رضی اللہ عنہ کا دل ماں کی یہ بات سن کر موم ہوگیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ عیاش رضی اللہ عنہ کے دل کی حالت بدل رہی ہے اور چہرے پر نرمی کے آثار ہیں تو آپ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: عیاش! دیکھو کہیں یہ لوگ تمہیں تمہارے دین سے پھرنے پر مجبور نہ کردیں، اللہ کی قسم جب تمہاری ماں کے سر میں جوئیں پڑیں گی اور وہ اسے تکلیف دیں گی تو وہ ضرور کنگھی کرے گی، اسی طرح جب مکہ کی گرمی اسے ستائے گی تب وہ ضرور کنگھی کرے گی، میرے دوست تم مت جاؤ۔

لیکن عیاش رضی اللہ عنہ کمزور پڑ گئے اور کہنے لگے: والدہ کی نذر پوری کرنے اور ان سے ملاقات کرنے کے علاوہ میرا وہاں کچھ مال بھی پڑا ہوا ہے، میں چاہتا ہوں اسے بھی لے آؤں۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں اہل قریش کا امیر آدمی ہوں، میں تمہیں آدھا مال دے دوں گا لیکن ان کے ساتھ نہ جاؤ؛ مگر عیاش نہ مانے تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا کہ: عیاش اگر تم نہیں رکتے اور جانے کی ضد ہی ہے تو میری یہ اونٹنی لے جاؤ یہ بہت فرمانبردار اونٹنی ہے اس کے اوپر بیٹھے رہنا اور اگر کوئی خطرہ ہو تو نکل بھاگنا اس اونٹنی کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ چناں چہ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ اس پر سوار ہو کر ان کے ساتھ چل دیے جب راستے میں پہنچے تو ابو جہل نے کہا: اے عیاش رضی اللہ عنہ! میری اونٹنی کچھ سست ہوگئی ہے کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں بٹھالو گے۔عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں آجاؤ!

پھر تینوں رک گئے، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ اور ابو جہل نے اپنی اونٹنیاں بٹھا دی تاکہ ابو جہل عیاش رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوار ہو جائے جب تینوں اپنی سواریوں سے زمین پر اتر گئے تو ان دونوں نے عیاش رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر رسی سے باندھ دیا۔ دیکھیے یہاں پہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کہ انہوں نے نصیحت کی تھی کہ اس اونٹنی سے نیچے نہ اترنا اور یہیں سیدنا عیاش سے غلطی ہوئی۔ ابو جہل اور حارث نے پکڑ لیا اور ان کو رسی سے باندھ دیا اور اسی حال میں مکہ لے کر آئے۔

ان پر شدید ابتلا آئی اور لمبی قید کاٹنا پڑی، عیاش اسی حال میں مکہ میں رہے، تکلیفوں کا سامنا کرتے رہے اور تب تک اس مصیبت میں مبتلا رہے کہ جب تک فتح مکہ کے دن آ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سیدنا عیاش کی رہائی اور نجات کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور نام لے کر ان کی گلوخلاصی کے لیے الحاح وزاری فرماتے تھے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 2/148)

حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کی رہائی:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو میری خاطر عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ کو

کافروں سے آزاد کرا کے لائے؟ سیدنا ولید بن ولید نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں انھیں لے آؤں گا، چنانچہ حضرت ولید بڑے خفیہ انداز سے مکہ میں داخل ہوئے اور بڑی راز داری سے ان کے مکانوں کا پتا لگاتے رہے۔ ایک دن ان کی ملاقات ایک خاتون سے ہوئی، خاتون کھانا اٹھائی ہوئی تھی۔ ولید نے اس سے پوچھا: آپ کہاں جاری ہیں؟ اس نے کہا: میں ان دو قیدیوں، یعنی عیاش اور ہشام کے پاس جا رہی ہوں، چنانچہ ولید اس خاتون کے پیچھے چل پڑے اور ان کے ٹھکانوں کا پتا چلا لیا۔ حضرت عیاش اور ہشام ایک ایسے کمرے میں قید تھے جس کی چھت بھی نہیں تھی۔ حضرت ولید رات کے وقت کمرے کی دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے اور ان کے پاؤں کی بیڑیاں توڑ کر انھیں اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئے۔ اور یوں حضرت عیاش اور ہشام ایمان کی پناہ گاہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور مجاہدین کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

غزوات میں شرکت اور سانحہ شہادت:

مکہ میں قید ہونے کی وجہ سے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق میں حصہ نہ لے سکے۔ ان علاوہ آپ جہاد کے مختلف محاذوں میں حصہ لیا، آپ دشمن سے مبارزت کرتے، دشمن کی صفوں کو کاٹتے ہوئے آخر تک چلے جاتے، اپنی تلوار کو دشمن کے خون سے رنگ دیتے اور خود بھی زخمی ہوتے۔ آپ نے غزوۂ حنین میں بھی حصہ لیا۔ مرتدین کے خلاف جنگوں میں مسلمانوں کے لشکر میں شامل رہے۔ ارضِ فارس میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ سیدنا خالد بن ولید کے ہمراہ روم کے اطراف و جوانب میں موجود قلعوں کو شکست سے دو چار کیا۔ وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا حتی کہ معرکۂ یرموک پیش آیا جس میں رومی اتنا بڑا لشکر لے آئے کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اتنا بڑا لشکر دیکھ کر سیدنا عیاش نے خالد بن ولید سے کہا: ”رومی کتنی زیادہ تعداد میں ہیں اور ہم مسلمان کتنے کم ہیں۔“ حضرت خالد بن ولید نے جواب دیا: بلکہ مسلمان زیادہ ہیں اور رومی بہت ہی کم ہیں۔ لشکر اس وقت زیادہ ہوتے ہیں جب ان کی نصرت کی جارہی ہو اور جب مدد و حمایت نہ ہو تو حقیقت میں تعداد اس وقت کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد خالد بن ولید نے حضرت عیاش کو، جن کے ساتھ عکرمہ بن ابو جہل اور قعقاع بن عمرو بھی تھے، زوردار لڑائی کا حکم دیا، تمام سپاہی بڑے جذبے سے میدان جہاد میں کود پڑے، شہسوار بھی میدان میں اتر پڑے، لڑائی شروع ہو گئی اور کئی دن تک چلتی رہی؛ تا آں کہ آپ سمیت متعدد اصحاب رسول شہید ہو گئے۔ بعض مراجع اور مصادر میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ آپ معرکۂ یرموک میں شہید نہیں ہوئے بلکہ صرف زخمی ہوئے۔ تاہم علامہ ابن اثیر اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ معرکۂ یرموک ہی میں شہید ہوئے اور یہی مشہور قول ہے۔ (الکامل لابن اثیر: 2/412)

اصلاحی مضامین

اگر بچوں کا ایمان عزیز ہے تو صحیح اسکولوں کا انتخاب کیجئے!

از: حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی زید مجدہٗ*

موجودہ دور میں تعلیم کی اہمیت وافادیت کسی سے مخفی نہیں، تعلیم کے بغیر سماجی ترقی اور اقوام عالم پر برتری ممکن نہیں، تعلیم سے عاری اقوام ہمیشہ پچھلی صفوں میں جگہ پانے پر مجبور ہوتی ہیں، اور قیادت کی باگ ڈور ہمیشہ ایسے اقوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوتی ہے، مسلمانوں پر ایک دور ایسا گزرا جب کہ دنیا کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی، یہ وہ دور تھا جب تعلیم میں اُن کا طوطی بول رہا تھا، پھر بتدریج وہ منصبِ قیادت سے ہٹادیئے گئے، قیادت سے محرومی کے جہاں اور اسباب تھے وہیں ایک بنیادی سبب تعلیمی پسماندگی بھی تھی، ماضی کی تاریخ سے سبق حاصل کرتے ہوئے مسلمانوں کو تعلیم پر بھرپور توجہ دینی چاہئے، ماہِ جون میں عصری تعلیمی اداروں کی کشادگی عمل میں آتی ہے، بیشتر اسکولوں میں تعلیم کا آغاز ہو چکا ہے، اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی بڑے خسارہ کی بات ہوگی، مقامی تنظیموں اور مسلم عمائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ سلم بستیوں کے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری کے لئے باقاعدہ مہم چلائیں، گھر گھر پہنچ کر انہیں اپنے بچوں کو اسکولوں میں داخلہ دلوانے کی ترغیب دیں جو مسلم خاندان تعلیمی اخراجات کے متحمل نہ ہوں، ان کا تعاون کیا جائے، خستہ حال مسلم بستیوں میں جگہ جگہ بیداری تعلیم کے جلسے منعقد کئے جائیں، مسلم بچوں کی بڑی تعداد ہوٹلوں میں، بیکریوں میں اور کارخانوں میں ملازم ہے ان بچوں کے والدین سے ملاقات کر کے انہیں تعلیم کی جانب راغب کرنے کی کوشش کی جائے، بہت سے طلبہ درمیان میں ترک تعلیم کر دیتے ہیں ان کی صحیح رہنمائی کی ضرورت ہے، مسلمانوں میں آئے دن تنظیموں کا قیام عمل میں آتا رہتا ہے، لیکن ایسی تنظیم کی شدید ضرورت ہے جو صرف تعلیم پر توجہ دے، اور تعلیم کے لئے باقاعدہ مہم چلائے اور ذہن سازی کرے، نیز اس تنظیم کے کارکنوں کی رسائی پسماندہ بستیوں کے ایک ایک گھر تک ہو، وہ ان تمام محلوں کا سروے کرے جو تعلیمی پسماندگی کا شکار ہیں، اس کام کے لئے جہاں جسمانی جدوجہد درکار ہے، وہیں مالیہ بھی ضروری ہے، ہمارے شہر میں صاحب ثروت مسلمانوں کی کمی نہیں، ان میں بیشتر افراد دینی اداروں اور تنظیموں کا تعاون بھی کرتے ہیں، ان سرمایہ دار

* استاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

مسلمانوں کو تعلیمی مہم پر خرچ کرنے کی بھی ترغیب دی جائے، تعلیم پر توجہ وقت کا اہم تقاضہ ہے، ماہِ جون میں اس کے لئے باقاعدہ مہم چلانے کی ضرورت ہے۔

اس کے ساتھ دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے کس قسم کے اسکولوں کا انتخاب کریں، مسلمانوں کے لئے عصری تعلیم جس قدر ضروری ہے اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اس کے دین وایمان کا تحفظ کیا جائے، اگر عصری تعلیم دین وایمان کے بدلے حاصل ہوتو ایسی تعلیم سے بہتر یہ ہے کہ بچوں کو ناخواندہ رکھا جائے، ایمان واسلام ایک مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، مسلمان سب کچھ قربان کرسکتا ہے لیکن اس عظیم سرمایہ سے دستبردار نہیں ہوسکتا، بچوں کو عصری تعلیم سے آراستہ کرکے خواہشمند مسلمان اس پہلو کو نظرانداز کردیتے ہیں، ان کے پیش نظر صرف معیاری تعلیم ہوتی ہے، چنانچہ اپنے بچوں کو خطیر رقم فیس ادا کرکے مشنری اسکولوں کے حوالے کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ان اسکولوں میں ان کے بچوں کا دین وایمان کھرچ لیا جارہا ہے، ملک میں رائج تعلیمی نظام انگریزوں کے دور کا ہے، اگرچہ اس میں ہلکی سی تبدیلیاں لائی جاتی رہی ہیں، لیکن اصلاً ڈھانچہ انگریزوں کا بنایا ہوا ہے، یہ نظام تعلیم کچھ ایسے انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ اس کا پڑھنے والا طالب علم دینی اعتبار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا علامہ اقبالؒ نے بڑے موثر اسلوب میں اس نظام تعلیم کی زہرناکی کا نقشہ کھینچا ہے ؎

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین مروت کے خلاف

اہل کلیسا کا تیار کردہ نظام تعلیم دین مروت کے خلاف ایک سازش ہے، اس نظام تعلیم سے بچوں کے ذہن ودماغ پر جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ درجہ ذیل ہیں، الا یہ کہ والدین دینی تربیت کا خصوصی اہتمام کریں۔

(۱) یہ نظام تعلیم اپنے طلبہ میں مال ودولت کی شدید حرص پیدا کرتا ہے، اس لئے کہ اس نظام تعلیم کا مقصد تن پروری اور تن آسانی اور عیش وعشرت کا حصول ہوتا ہے، اور یہ شروع سے اس کے پڑھنے والوں کے پیش نظر اعلیٰ ڈگری کے حصول کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ دولت کمانا ہوتا ہے، چنانچہ حصول ڈگری کے بعد دولت بٹورنے کی فکر سوار ہوجاتی ہے، ڈاکٹروں کو مریض سے ہمدردی کے بجائے پیسوں سے سروکار رہوتا ہے، اس طرح ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا اپنے شعبہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

(۲) اس نظام تعلیم سے بچوں سے شرم وحیاء رخصت ہوجاتی ہے، چونکہ بچے شروع سے مخلوط ماحول میں رہتے ہیں، بچیوں سے چھیڑ چھاڑ اور اختلاط کے سبب شرم وحیاء اور عفت وپاکدامنی کے جذبات دل سے ختم ہوجاتے ہیں۔

(۳) مغربی نظام تعلیم بچوں کو تہذیب وتمدن میں انگریزوں کی نقالی کا شیدائی بنا دیتا ہے، چنانچہ مسلمان بچے بھی کھانے پینے،لباس وپوشاک اورطرزِ معاشرت میں مغرب کی تقلید کو اپنے لئے باعثِ اعزاز سمجھتے ہیں بلکہ مغرب کی بد اخلاقی کو روشن خیالی کا نام دیا جانے لگا ہے، کھڑے کھڑے پیشاب کرنے اور کھڑے کھڑے کھانے کو فیشن سمجھا جانے لگا ہے، اس کے برخلاف بیٹھ کر پیشاب کرنے اور دسترخوان بچھا کر کھانے کو دقیانوسیت سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔

(۴) مغربی نظام تعلیم کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے پڑھنے والوں کے دلوں سے ایمان واسلام کی عظمت نکل جاتی ہے، وہ مذہب کو ایک فضول مشن سمجھنے لگتے ہیں، نصاب تعلیم اورطریقۂ تربیت ہی کچھ اس انداز کا ہوتا ہے کہ آدمی کے دل سے مذہبی تدارک کی اہمیت یکسر ختم ہوجاتی ہے۔

(۵) مغربی نظام تعلیم کا ایک خطرناک اثر دین ودنیا میں تفریق کی شکل میں ظاہر ہورہا ہے، اس نظام تعلیم سے متاثر طلبہ نے دین کو آدمی کا پرائیوٹ مسئلہ قرار دیا جس کا دنیاوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں، جس طرح عیسائیت کے پیروکاروں نے دین ودنیا کو دو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا، اسی طرح جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی دنیاوی معاملات میں مذہب کو دخیل کرنے سے گریز کررہا ہے۔

(۶) اس نظام تعلیم کا سب سے خطرناک اثر مسلم بچوں پر یہ مرتب ہورہا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات واقدار کے تعلق سے شکوک وشبہات اور بے اعتمادی کا شکار ہورہے ہیں، بہت سے نوجوان تو برملا کہہ رہے ہیں کہ انہیں اسلام کا فلاں قانون منظور نہیں ،عیسائیوں کے تحت چلنے والے مشنری اسکول خالص تبشیری مقاصد کے تحت چلائے جاتے ہیں، ان اسکولوں کا مقصد پڑھنے والے طلبہ کو اسلام سے بدظن کرکے انہیں عیسائیت سے قریب کرنا ہوتا ہے، مشنری اسکولوں میں تعلیم پانے والے مسلم بچے اسلام کے بارے میں کس طرح شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتے ہیں، اُس کا اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) ایک مسلمان طالب علم سے جس کی ابتدائی تعلیم کانوینٹ میں ہوتی تھی ،سرکاری نوکری کے لئے انٹرویو کے درمیان ممتحن نے سوال کیا کہ اسلام میں مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے لیکن عورت اس حق سے محروم ہے، اسی طرح مرد کو ایک ساتھ چار بیویاں رکھنے کی اسلام اجازت دیتا ہے جبکہ عورت کے لئے اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں، اس سلسلہ میں بحیثیت مسلمان آپ کا کیا خیال ہے؟ تو وہ مسلم نوجوان بجائے اس کے کہ وہ ان اعتراضات کا جواب دیتا، یوں کہنے لگا کہ مجھے خود ان اسلامی قوانین پر اعتراض ہے، عورتوں کے سلسلے میں اسلام کی یہ ناانصافی خود میری سمجھ سے بھی باہر ہے، میرے خیال میں اسلامی قوانین میں تبدیلی کرکے عورت کو بھی مرد

کی طرح بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دینی چاہئے تاکہ دونوں کے درمیان مساوات قائم رہے۔

(۲) ایک مسلم طالب علم نے جب مشنری اسکول میں اپنے استاد سے یہ سنا کہ روزہ انسان کے لئے غیر فطری اور غیر ضروری عمل ہے، طبی نقطۂ نظر سے چار پانچ گھنٹے تک مسلسل کچھ نہ کھانے پینے سے ایسی کمزوری پیدا ہوتی ہے جس کا اثر بڑھاپے میں ہوتا ہے، جب یہ طالب علم اپنے گھر آیا تو اپنے ناخواندہ لیکن دیندار والد سے جنہوں نے اعلیٰ معیاری تعلیم کے شوق میں اپنے اس لختِ جگر کو کانوینٹ میں داخل کروایا تھا پوچھا کہ کیا روزہ سے واقعی جسم میں کمزوری ہوتی ہے؟ اور کیا یہ غیر ضروری عمل ہے؟ بیچارہ والد اس کے علاوہ کچھ جواب نہیں دے سکا کہ یہ ہمارے خدا کا حکم ہے، لیکن لڑکا روزہ کے فوائد عقلی طور پر ثابت کرنے پر اصرار کر رہا تھا اور کہنے لگا کہ کل سے میں بھی بلا وجہ اپنے کو روزہ رکھ کر نہ تھکاؤں گا جب تک آپ مجھے یہ نہ سمجھا دیں کہ اس سے کوئی فائدہ بھی ہے، اسی دوران تین دن میں اُس کا انتقال ہوگیا۔

بنگلور کے ایک معروف عالم دین نے ایک ایسی خاتون کا واقعہ جس سے ان کے خاندانی مراسم ہیں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ میرے گھر اپنے بچوں کو قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم کے لئے لایا کرتی تھی، ایک دن وہ روتے ہوئے آئی، جب رونے کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ ابھی گزرتے ہوئے راستے میں اچانک میرے دونوں بچے نظر نہ آئے تو میں ادھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی، اچانک میری نظر راستے میں بنے ہوئے مریم یا عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مجسمہ پر پڑی تو وہاں میرے دونوں بچے مجسمے کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر وہاں گئی اور اُن کو مار کر لے آئی، اس پر بچے کہتے ہیں، ہم نے کیا برا کیا، یہ کام تو ہم اسکولوں میں روزانہ کرتے ہیں۔

ان حالات کی روشنی میں مسلمان والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے ایسے اسکولوں کا انتخاب کریں جہاں عصری تعلیم کے ساتھ دینیات بھی پڑھائے جاتے ہوں، مشنری اسکولوں سے بالکل احتراز کریں، شہر میں مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں کی کمی نہیں ہے، لیکن مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں بھی ایسے اسکولوں کا انتخاب کریں، جہاں اسلامی تربیت اور دینی مضامین پڑھائے جاتے ہوں، اکثر مسلمانوں کو مسلم مینجمنٹ کے تحت چلنے والے اسکولوں کے بارے میں تعلیمی معیار کی کمی کی شکایت رہتی ہے، کسی حد تک یہ شکایت درست معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کا حل یوں نکالا جاسکتا ہے کہ صاحب ثروت مسلمان آگے آئیں اور خدمت دین کے جذبے کے تحت معیاری اسکول قائم کریں، تاکہ مسلمان معیاری تعلیم کے لئے مشنری اسکولوں کا رخ نہ کرسکیں، یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے۔

اصلاحی مضامین

کیا یہی آئینِ وفاداری ہے

بہ قلم: مولانا محمد عمر نظام آبادی قاسمی*

رمضان المبارک کا مہینہ طاعات وعبادات اور اعمالِ خیر کی انجام دہی کا بہترین سیزن اور سالانہ اصلاحی کورس ہوتا ہے، جس میں بقیہ مہینوں کے اعتبار سے زندگی کے طور طریق کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے اور اپنے آپ کو شریعتِ مطہرہ کے تابع کر کے زندگی گزارنے کی ٹریننگ اور مشق کرائی جاتی ہے؛ بایں طور کہ انسان ماہِ صیام میں اپنی جائز خواہشات اور مباح تقاضوں کی تکمیل سے بھی رک کر بقیہ گیارہ مہینے بھی ناجائز و ناروا افعال کے ارتکاب اور حرام اور مشتبہ چیزوں کے استعمال سے بچ جائے، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ ہمارے اعمالِ صالحہ اور عباداتِ الٰہیہ صرف رمضان المبارک ہی تک محدود ہو کر رہ جائیں، کہ جس طرح رمضان میں مساجد سے جڑے رہے، فرائض ونوافل کی پابندی رہی، قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام رہا، صدقہ خیرات اور غریبوں کی امداد کرنے کا مزاج بنا رہا، ایک دوسرے سے ہمدردی وغم خواری کا جذبہ بیدار رہا، فضائل ومسائل معلوم کرنے کا دینی ذوق جاری رہا، گناہوں سے بچنے کی کوششیں رہیں، مسابقت الی الخیر کا مظاہرہ ہوتا رہا؛ لیکن جوں ہی ہلالِ عید نظر آجائے، رمضان المبارک گذر جائے، تو پھر مساجد سے دوری، تلاوتِ قرآن سے بے گانگی، فرائض اور واجبات کی چھٹی، اہلِ حقوق کی حق تلفی، ایک دوسرے سے بے تعلقی، دنیاوی مشاغل میں مکمل طور پر مصروف ہو کر دین سے جدائیگی اختیار کرلیں، ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ ہم رمضانی نہیں، ربانی مسلمان ہیں، اور ہم سے وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ کا خطاب ہے؛ لہٰذا ہمیں ہر وقت اور ہر آن مؤمن صادق اور عبدِ کامل بننے کی کوشش کرنا چاہیے، اور اس کے لئے دین ودنیا کے تمام معاملات میں علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی رہبری ورہنمائی میں مسائل معلوم کر کے زندگی گذاریں؛ اس لئے کہ ہم مسلمانوں کی موجودہ جو صورتِ حال ہے وہ انتہائی افسوس ناک اور قابلِ اصلاح ہے جس کے بیان سے دل ٹوٹ جاتا ہے، آنکھیں نم ہوجاتی ہیں، اور اس پر خون کے آنسو رُو رُوئے جائیں تو بھی کم ہے؛ کیوں کہ ؎

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے

---

* فاضل دار العلوم دیوبند

ہم سے کب پیار ہے! ہاں نیند تمھیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمَضاں بھاری ہے
تم ہی کہہ دو، یہی آئینِ وفاداری ہے؟
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں ، محفلِ انجم بھی نہیں

ہمارا رمضان "انقلابی" کیوں نہیں؟

یہاں ٹھہر کر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہماری زندگی میں ہر سال ماہِ رمضان کی آمد تو ہوتی ہے؛ لیکن اس کے نتیجہ میں کوئی انقلاب کیوں نہیں آتا؟ ہماری عادات وخصائل میں کوئی تبدیلی نہیں؟ مزاج میں کوئی بدلاؤ نہیں؟ اعمال واخلاق میں کوئی تغیر نہیں؟ سماج اور معاشرہ میں کوئی سدھار نہیں؟ ایسا کیوں؟ کبھی غور کیا؟ اپنے آپ سے پوچھا؟ کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب تو بالکل صاف اور واضح ہے کہ ہم نے اعمالِ صالحہ اور عبادات تو کیے؛ لیکن احتساب کے بغیر، نیک کام میں مصروف تو ہوئے؛ لیکن حرام لقموں اور ناجائز آمدنی کو چھوڑے بغیر (مثلاً بہنوں کو وراثت سے محروم کر کے ان کا حصہ ہڑپ لیا وغیرہ) نیز ہم توبہ واستغفار تو کرتے رہیں؛ لیکن اسبابِ گناہ اور ذرائعِ معصیت (مثلاً موبائل وغیرہ) سے دور ہوئے بغیر، ہم خوش حالی اور برکت کی دعائیں تو کرتے رہیں؛ لیکن رشتوں کو جوڑے بغیر، پھر بھلا زندگیوں میں انقلاب اور سماج میں تبدیلی کیوں کر ممکن ہے؟

یاد رکھنا چاہیے کہ رمضان المبارک ایک تربیتی کیمپ اور تمرینی کلاس ہے جس میں نیکی اور عبادت کا ماحول ہوتا ہے، اور ماحول سے عمل میں آسانی تو ہوتی ہے، اصلاح نہیں ہوتی!

اصلاح کے لئے تو فکر اور جستجو کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے معمولات کا جائزہ لینا ہوتا ہے، اور اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر زندگی میں انقلاب آسکتا ہے؛ ورنہ رمضان میں عبادت کر کے بعد میں چھٹی کر دینا" اس بات کی علامت ہے کہ رمضان میں نظر آنے والی نیکی ایک نوعیت کا موسمی بخار تھا جو اتر گیا، مذہبی فیشن تھا جو وقت کے ساتھ رخصت ہو گیا، اگر (اعمال وعبادات میں) ایمان ہوتا اور احتساب ہوتا تو کچھ نہ کچھ بہتری ضرور آتی، کچھ نئے اہداف طے ہوتے، کچھ کمزوریاں رخصت ہوتیں، زندگی میں بہتری ضرور آجاتی"

(رحمتوں کے سائے میں:۶۲)

چند باتوں کا خیال رکھیں

فی زمانہ ہر کوئی کاروباری مسائل اور معاشی اُلجھنوں کا شکار ہے، پریشانیوں میں گرفتار اور مصائب و

مشکلات کی قطار ہے، پرآسائش مکانات میں اور نرم گرم بستروں پر بھی سکون کی سانسیں اور راحت کے لمحات میسر نہیں، ہر ایک کی زبان اسی کا شکوہ کررہی ہے، اور سکون کی تلاش میں کیا کچھ نہیں کیا جارہا ہے؛ حالاں کہ سکون تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر میں ہے؛ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸) "آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے"

اور روئے زمین پر اللہ کی یاد کی سب سے بہترین جگہ "مسجد" ہے؛ لہٰذا مساجد سے ہمارا رشتہ اور تعلق مضبوط ہونا چاہیے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ نمازوں کی پابندی بھی ہوجائے گی اور دیگر اعمالِ خیر کی توفیق بھی میسر آجاتی ہے، الغرض مساجد سے جڑے رہنے اور تعلق قائم کرنے کے بے شمار فوائد ہیں؛ مثلاً: "اللہ تعالیٰ مسجد میں آنے والے بندہ سے اس طرح خوش ہوتے ہیں، جس طرح گم شدہ آدمی کے ملنے سے گھر والے خوش ہوتے ہیں، اور اسی طرح مسجد میں آنے والے کی اللہ ربّ العزت میزبانی فرماتے ہیں؛ گویا مسجد میں آنے والا اللہ کا مہمان بن جاتا ہے" (بخاری: باب فضل من غدا الی المسجد:۶۳۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس (مسجد میں آنے والے) بندہ سے محبت فرماتے ہیں، اور ملائکہ اس کے معاون و مددگار بن جاتے ہیں" (مسند احمد: ۹۱۴۴) ایک حدیث میں ہے کہ "صبح شام مسجد میں حاضر ہونے والا گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح منزہ ومبرہ ہوجاتا ہے، جس طرح اس وقت تھا، جب ماں کی پیٹ سے پیدا ہوا ہو"۔ (مسلم:۶۶۶) نیز "ایسے شخص کو بھی عرش کا سایہ نصیب ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے" (الجامع الصغیر/ ۴۶۳۰) اسی طرح مسجد میں بیٹھنے والا تین فائدوں میں سے ایک فائدہ ضرور حاصل کرتا ہے: (۱) کسی بھائی سے کوئی دینی فائدہ ہوجاتا ہے، (۲) یا کوئی حکمت کی بات سننے کو ملتی ہے، (۳) یا اللہ کی رحمت مل جاتی ہے۔ (جس کا ہر مسلمان منتظر رہتا ہے) (مسند احمد: ۹۱۴۴) خلاصۂ کلام یہ کہ بندہ جب اپنا رشتہ خدا تعالیٰ کے گھر سے جوڑ لیتا ہے تو اسے اس طرح بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، لہذا ہمیں مسجدوں سے اپنا مضبوط تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا کام: پابندی سے تلاوتِ قرآن کا معمول:

ہمارے مشکلات کا حل اور پریشانیوں سے نجات کا ایک بہترین ذریعہ قرآن کریم سے تعلق اور وابستگی بھی ہے؛ لیکن ہماری قوم کا المیہ یہ ہے کہ ہم قرآن پر مرنا تو چاہتے ہیں؛ لیکن اس پر جینا نہیں چاہتے، پس قرآن کریم سے بے تعلقی اور بے اعتنائی کی وجہ سے آج ہم در در کی ٹھوکریں کھارہے ہیں، ذلت وخواری، نکبت و بدحالی ہمارا مقدر بن چکی ہے، اور شاعر کا یہ شعر "اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر" مبنی بر حقیقت اور سچ کی ترجمانی ہے؛ لہذا ہمیں اپنے طور پر کم از کم اپنی ذات پر رحم کرتے ہوئے قرآن سے اپنا تعلق جوڑنا چاہیے، اور اس کی تلاوت

کا معمول بنانا چاہیے؛ گرچہ روزآنہ ایک رکوع ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ جب تک ہمارا رشتہ قرآن کریم سے منقطع رہے گا تب تک عروج و بلندی، اور کامیابی وسرفرازی کی تمنا کرنا خواہشِ لا حاصل اور آرزوئے ناتمام کے سوا کچھ نہیں؛ لہٰذا فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا کام:

ہر کلمہ گو مسلمان کو چاہیے کہ وہ گناہ اور اسبابِ گناہ سے بچانے کا اہتمام کریں، ماہِ مبارک میں تو نیک ماحول اور اعمالِ صالحہ کی برکت سے گناہوں سے بچنا آسان ہوا؛ لیکن غیر رمضان میں بھی گناہوں سے پرہیز کرنا چاہیے، حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں: ومن صام رمضان وهو يحدث نفسه انه اذا افطر عصیٰ ربه فصيامه عليه مردود (لطائف المعارف: ۱/ ۲۱۵) یعنی" جو شخص رمضان میں اس ارادہ سے گناہ ترک کررہا ہے کہ بعدِ رمضان گناہ کرنا ہے تو اس کا روزہ مردود ہے" اور شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: " دل میں یہ کھٹک پیدا کرلیں، جو رمضان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کی تھی کہ میں یہ کام کرنے جارہا ہوں، کہیں اس سے میرے ایمان کے تقاضے تو مجروح نہیں ہورہے، جہاں کہیں گناہ کا داعیہ پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو ان کے اسباب سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، اگر دوبارہ داعیہ پیدا ہورہا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے کہ یا اللہ! نفس اور شیطان مجھے غلط راستے کی طرف ڈالنا چاہ رہے ہیں، اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے بچا لیجیے!" (خطباتِ رمضان: ۲۶۹)

ہر ایسے عمل سے اپنے آپ کو بچائیں جو خدا تعالیٰ کی خفگی و ناراضگی کا باعث بنتا ہو؛ اور بالخصوص حرام کمائی اور مشتبہ آمدنی سے، شراب نوشی اور قمار بازی سے، اسراف وفضول خرچی سے، شادی بیاہ کے جملہ غیر شرعی رسومات سے، لڑکیوں کی میراث ہڑپ کر جانے سے توبہ کرنا چاہیے۔

چوتھا کام: علماء کرام سے رابطہ مضبوط رکھنا:

صحت وتندرستی کی حفاظت وسلامتی کے لئے ماہر فیملی ڈاکٹر اور حاذق طبیب سے رابطہ ناگزیر ہے، مکان کی تعمیر اور تنظیم وترتیب کے لئے ایک تجربہ کار انجینیر سے تعلق لازم ہے، اسی طرح اپنے ایمان وعقیدہ کی سلامتی اور دین وشریعت کے تحفظ اور بچاؤ کے لئے علماء کرام سے رابطہ ضروری ہے، پس زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر مسئلہ میں علماء کرام سے مسائل کا علم حاصل کر کے زندگی گذارنے کا التزام کرنا چاہیے، پھر ان شاء اللہ بہت سے بُرے کاموں اور حرام لقموں سے بچنا آسان ہو جائے گا؛ ورنہ بعض دفعہ تو انسان اپنی لاعلمی اور عدمِ واقفیت کی وجہ سے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور اس کا احساس تک نہیں ہوتا؛ حالاں کہ یہ عظیم ترین نقصان اور انتہائی خسارہ کی

بات ہے؛ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے صاف صاف الفاظ میں فرمایا:" جلدی جلدی نیک کام کرلو ان فتنوں سے پہلے جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے، صبح کو آدمی ایمان والا ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو ایمان والا ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا اور اپنے دین کو بیچ ڈالے گا دنیا کے مال کے بدلے۔"(صحیح مسلم: ۱۱۸)اس لئے اپنے ایمان کے تحفظ اور دین کی بقاء کے لئے کسی نہ کسی عالم سے تعلق قائم کرنا چاہیے۔

خلاصۂ تحریر:

زندگی اللہ کی عظیم نعمت اور انمول متاع ہے، جسے خدا تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں گزارنا چاہیے، روزِ قیامت اللہ اس نعمت کے بارے میں سوال کریں گے، حدیث مبارکہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے: کہ" قیامت کے دن آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے؛ جب تک اس سے اس کی زندگی کے متعلق بھی سوال نہ کرلیا جائے"۔(الترغیب والترہیب: ۴/ ۲۱۴)

بہت ہی فکر کی ضرورت ہے، ڈرنے کا مقام ہے، آج ہم اپنے اہل وعیال کے لئے تو بہت کچھ کرتے ہیں، بیوی بچوں کی ہر خواہش کی فکر رہتی ہے؛ لیکن کبھی ہم نے یہ بھی سوچا کہ ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ نبی کو کیا منہ دکھائیں گے؟ صحابہ کرامؓ کا کیسے سامنا کریں گے؟ اپنے اندر جھانک کر دیکھیں اور اطمینان سے بیٹھ کر سوچیں کہ اگر میدانِ محشر میں صحابہ کرامؓ ہمارا دامن پکڑ کر پوچھ لیں کہ" ہم نے تم تک دین پہونچانے کے لئے اتنی قربانیاں دیں، مشقتیں برداشت کیں، مصائب جھیلیں، اپنی بیویوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کردیا تو تم نے اس کا کیا حق ادا کیا" تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا، خدارا! ہم اپنی روش کو بدلیں، دین پر عمل پیرا ہو جائیں؛ ورنہ ان سوالات کے جوابات کے لئے تیار ہو جائیں۔

پروردگارِ عالم ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائیں آمین یارب العالمین۔

(بقیہ صفحہ ۴۹ سے)

اسی طرح آدمی جب قبرستان جائے تو جس کی زیارت کے لئے گیا ہے بس اُسی کو مقصود بنائے کسی اور طرف دھیان نہ کرے، اپنے والد کے لئے گیا، والدہ کے لئے گیا، دادی کے لئے گیا، جو محرم ہیں بس اسی محرم کے دھیان میں جائے اور ان ہی کی قبر پر ان کے لئے دعا کردے، باقی عمومی مغفرت کی دعا جتنے یہاں دفن ہیں سب کے لئے کرنا چاہیے اور ایسی جگہوں پر جہاں پر کچھ منکرات شرعی ہوں، نہیں جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

ذکر رفتگاں

اعاظمِ اسلاف کے عظیم خلف

از: مولانا بلال میرٹھی*

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کی روحانی وایمانی فضا میں سماعتوں سے ٹکرانے والا ایک پیارا سا لقب ''ابو'' بھی تھا، اس لقب وتعبیر میں جس قدر محبوبیت، اپنائیت اور احترام نمایاں ہے اس سے کہیں زیادہ اس میں معصومیت، بھولے پن اور سادگی کی چاشنی موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم وعمل کے پیکر، متبع سنت ومستجاب الدعوات استاذ الاساتذہ حضرت مولانا الحاج عبدالرؤف صاحب بستوی نوراللہ مرقدہ کو ہر وہ طالب علم جانتا ہے جس نے علمی تشنگی بجھانے کی خاطر کچھ لمحات ادارے میں گزارے ہوں۔ آپ کی چلت پھرت اور جسمانی ساخت کا تجزیہ ومنظر کشی کی جائے تو نقشہ کچھ یوں سامنے آتا ہے: صاف شفاف چہرہ، کشادہ پیشانی، معتدل قد وقامت، گفتار ورفتار میں انتہائی سنجیدہ، قلب وکردار میں انتہائی پاکیزہ، نظروں میں حیا، چہرہ پروقار، ظاہری ٹیپ ٹاپ سے مستغنی، لباس معمولی وسادہ (عموماً لنگی وکرتہ زیب تن کیے ہوتے تھے) لیکن زفرق تا بقدم نستعلیقیت پھوٹی پڑتی تھی، متوکل علی اللہ، قانع علی اللہ جیسی صفات وخصوصیات سے آراستہ وپیراستہ تھے۔

آپ کی قابل ذکر خصوصیات

حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کو دیکھنے والا ہر شخص یہ گواہی دے سکتا ہے کہ آپ کی پخت وپز میں حضرت محی السنہ نوراللہ مرقدہ کی بہترین صناعی اور معماری کا تمام تر دخل تھا، خوش بخت ہیں وہ طلبۂ کرام جن کو ایسے باکمال اور گوہر نایاب اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کی سعادت ملی کہ جنھوں نے اپنے قول وقرار سے کہیں زیادہ اپنے کردار وعمل سے لوگوں کو متاثر کیا، چنانچہ آپ کی فروتنی وانکساری سے ''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللہ'' کا درس ملا کرتا تھا، بوڑھاپے میں بھی پابندی اوقات اور غیر حاضری سے پرہیز مثالی تھا، آپ کی خاموش مزاجی اور کم گوئی نے بتایا کہ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو اور مستقبل میں اپنے کو سنورنا چاہتے ہو تو خاموش رہنا سیکھو،

---

* خادم التدریس مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی سے فکرِ آخرت کی جانب متوجہ کیا، استغناء و بے نیازی سے غنی النفس کا مفہوم سمجھایا، عمل وکردار سے بتایا کہ بچو! نسیم سحر بنو جو انسانوں کو چین وسکون پہچانے کا سبب بنتی ہے اور یہی خاموش ہوا نیم مردہ انسانوں میں جان ڈال دیتی ہے نیز تیز وطرار ہوا نہ بنو جو قوی الجثہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور مضبوط مکانوں کی بنیادیں ہلا کر تباہ وبربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

موجودہ پرفتن دور میں مدارس و مکاتب، اداروں وتنظیموں میں ایک دوسرے کو بے عزت کرنے، نیچا دکھانے اور اکھاڑ پھینکنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے، چنانچہ کوئی ذمہ داران کی چاپلوسی وخصیہ برداری کو ترقی کا ذریعہ سمجھ رہا ہے تو کوئی نظامت ومنصب اہتمام کو معیار بلندی خیال کر رہا ہے، کوئی حلقۂ یاراں وہم نواؤں کی وسعت وزیادتی کو باعث مقبولیت خیال کرتا ہے تو کوئی علمی پندار وگھمنڈ کا سہارا لئے ہوئے ہے، لیکن حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ نے نہ تو تملق کو اپنا شیوہ بنایا اور نہ ہی منصب اہتمام کو زینت بخشنے کی فکر میں رہے بلکہ بہت بڑے ہو کر بھی بہت چھوٹے بنے رہنے کو موجبِ سعادت سمجھتے تھے۔

مدرسہ کے اصول کا پاس ولحاظ

مدرسہ کا ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ حضرات اساتذہ کرام، ملازمین اور دیگر کارندے طلبہ کرام سے بدنی خدمت نہ لیا کریں اور جہاں تک ہوسکے اساتذہ کرام اپنا کام خود کیا کریں حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ اس اصول پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا تھے؛ چونکہ آپ کا دوپہر کا قیام اور طعام من جانب مدرسہ ہوتا تھا اس لیے وقت ہوجانے پر طلبہ کرام کے ساتھ لائن میں لگ کر خود کھانا لینے کا معمول تھا اور اگر کوئی طالب علم آگے بڑھتا تو اس انداز سے منع فرماتے کہ پھر وہ کبھی زندگی میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرتا۔ اسی طرح برتن کے دھلنے اور اپنے کپڑوں کی صفائی ستھرائی میں کسی بھی طالب علم سے خدمت نہ لینا آپ کا امتیازی وصف تھا اخیر عمر میں جب ضعف وکمزوری میں اضافہ ہونے لگا تھا تو پھر طلبہ کرام آپ کے کہے بغیر خدمت میں آپ کے اشاروں پر مرمٹنے کو تیار رہنے لگے تھے اس پیرانہ سالی واضمحلال اعضاء کے وقت میں بھی اپنے کام سے کام اور غیر معمولی نمازوں کے اہتمام نے مجھے بے حد متاثر کیا۔

ہمارے اکابر کا راس المال

ہمارے لیے یہ باعثِ فخر ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایک ایسی شخصیت کو دیکھا ہے جس میں خلوص و للّٰہیت، تقویٰ وخشیت، توکل وقناعت اور استغناء و بے نیازی جیسی صفات اپنی پوری معنویت کے ساتھ موجود تھیں، یہی وجہ تھی کہ ان کے دل میں دنیوی طمع اور مادی نفع کی حرص کا شائبہ تک نہ تھا، جبکہ آپ ایک اچھے خیاط

بھی تھے، ضرورت پڑنے پر اپنے اور اپنے بچوں کے کپڑے خود سل لیا کرتے تھے، غرضیکہ اپنے ناخن تدبیر سے اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے؛ جو عموماً باکمال علمائے دین میں نہیں ہوتی؛ کیونکہ حرفِ علم رکھنے والا بالعموم حرفِ حیات سے ناآشنا ہوتا ہے؛ لیکن آپ کبھی دو کشتیوں میں سوار نہیں ہوئے، دنیا سے ان کا تعلق ضرورت کی حد تک تھا، یہی استغناء و بے نیازی ہمارے اکابر کا رأس المال اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

بے ضرر انسان

اللہ والے با اخلاق اور حلم و بردباری جیسی عظیم صفات سے مزین ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ صحیح معنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم و معارف کے وارث حقیقی اور ان کے طریقہ کے عاشق ہوتے ہیں، خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہا اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو کبھی کسی کام پر سرزنش کی اور نہ ہی میری پٹائی کی بلکہ کبھی مجھے بیٹا کہہ کر پکارتے اور کبھی ابوحمزہ کہہ کر آواز دیتے، حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ میں بھی مادہ ترحم قابل تعریف اور لائق تقلید تھا، مجھے یاد نہیں اور نہ ہی کسی سے سنا کہ آپ نے اپنے نصف صدی سے زائد دور تدریسی میں کسی طالب علم کی دوران درس یا خارج میں سرزنش کی ہو یا ڈانٹ ڈپٹ کی ہو بلکہ میرا اب تک کہ ۲۴/سالہ دور اس بات کا مشاہد ہے کہ آپ بہ شکل فرشتہ ایک بے ضرر انسان تھے، قدرت نے آپ کو ہر کسی کی دل آزاری سے محفوظ رکھا تھا۔

دو خواجہ تاش

میرے استاذ میرے شیخ، حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کے نہ صرف یہ کہ شاگرد تھے بلکہ دونوں بزرگوں میں والہانہ تعلق تھا، اسی تعلق کا اثر تھا کہ جب قوی مضمحل ہو گئے اور علالت و ناسازی طبع کی وجہ سے فریش ہو گئے تھے تو میرے شیخ و میرے استاذ بنفس نفیس حسب موقع خدمت میں حاضر ہوتے، مونچھوں کو تراشتے، ہاتھوں اور پیروں کے ناخن کاٹتے اور دعاؤں کی درخواست کرتے رہتے تھے جبکہ آپس میں خواجہ تاش بھی ہیں، دونوں ہی کو خانوادہ حقی سے زلہ ربائی کا شرف حاصل رہا، مرحوم و مغفور کے مزاج اور طبیعت میں فنائیت، اخفا اور تستر کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ نے تادم آخر اپنی شخصیت کو پردہ خفا میں مستور رکھا جبکہ آپ حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کے معتمد تھے، حضرت محی السنہ نے ۱۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ، مطابق: ۲۶/ مئی ۱۹۹۴ء بروز جمعہ بیعت و تلقین کی اجازت سے سرفراز فرمایا تھا، اس کے باوجود اگر کوئی طالب بغرض اصلاح رجوع کرتا یا حاضر خدمت ہونا چاہتا تو

آپ منع فرمادیا کرتے تھے۔ کسرنفسی کی بنا پر کَبَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبْرٰی (بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنادیا) جیسے الفاظ کہتے ہوئے بھی سنا گیا، ان سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ شیخ کے انتقال کے بعد جب شاگرد نے استاد سے رجوع کیا تو استاد نے شاگرد سے رجوع فرمایا۔

سفرحج

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے، ہر صاحبِ ایمان اس کی کشش محسوس کرتا ہے، جس کی تکمیل دل میں یقین، ایمان میں بلندی، عشق میں پختگی، روح میں تازگی اور اعتقاد میں دوام بخشتی ہے، اسی لئے ہر صاحبِ ایمان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے وہاں کی حاضری نصیب ہو۔ اس کے برخلاف اگر کسی مومن کا دل ارضِ مقدسہ کی حاضری کے شوق وجذبہ سے خالی ہو، وہاں کی نورانی فضاؤں میں سانس لینے، عاشقانہ مستانہ چلنے دوڑنے، اللہ کے حضور رونے بلکنے، آہ وزاری کی تمنا نہ رکھتا ہو، یہ آرزوئیں چٹکیاں نہ لیتی ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی ایمانی جڑیں خشک ہوگئی ہیں۔

۲۰۰۷ء میں حضرت الاستاذ بھی اس وادیٔ عشق کے مسافر بنے، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے پرائیوٹ ٹور (مدنی حج گروپ) کے ذریعہ حضرت محی السنۃ علیہ الرحمہ کے ایک عاشق زار، بے لوث خدمتگار حضرت حاجی عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ یہ سعادت حاصل فرمائی۔

اندازِ درس اور پابندیِ اوقات

مدرسہ کے شعبہ عربی وفارسی میں ایک نظام اور معمول یہ بھی ہے کہ گھنٹہ ہونے پر درس کیلئے طلبہ کرام ایک درسگاہ سے دوسری درسگاہ خود حاضر ہوتے ہیں جبکہ دیگر مدارس میں حضرات اساتذہ کرام درسگاہ تشریف لاتے ہیں چنانچہ جیسے ہی طلبہ حاضر ہوتے آپ سب سے پہلے بلاناغہ رجسٹر حاضری میں حاضری وغیر حاضری درج کرتے اس کے بعد درس ہوتا، دوران درس انداز تکلم بہت سادہ عام فہم اور نہایت سہل ہوتا تھا، قدیم طرز کے لفظی اور بامعنی ترجمہ زیادہ پسند کرتے تھے (جیسے رخ میرا طرف اس کعبہ کے) ٹھہر ٹھہر کر بہت اطمینان کے ساتھ بولتے تھے، چھ چھ گھنٹے اس طرح درس دیتے کہ چہرہ پر کسی تعب کا اثر ہوتا اور نہ ہی تھکاوٹ کی کوئی علامت، نیز طلبہ میں یہ بات بہت مشہور بلکہ یہ اعتقاد رسوخ کے درجہ میں تھا کہ اگر آپ کو رنجیدہ خاطر کیا گیا تو مستقبل کی ترقی ناممکن ہے اسی لیے غبی سے غبی طالب علم بھی سبق یاد کرلیا کرتا تھا۔

کبھی کبھی درس کی رونق اور رعنائی میں اضافے کے خاطر لطیفے اور ظرافت آمیز باتیں بھی کرلیا کرتے

تھے، خوب اچھی طرح یاد ہے کہ عربی ادب سے متعلق ''مقامات حریری'' کی تکمیل نصاب کے بعد ہماری جماعت کو چند ایام ''سبع المعلقات'' کا بھی درس دیا، چنانچہ امرؤالقیس بن حجر بن عمروالکندی کے

الا رب یوم کان منھن صالح
ولا سیما یوم بدارۃ جلجل

اس شعر کی توضیح وتشریح ظرافت آمیز لہجہ میں اس طرح شگفتہ خاطر اور البیلے انداز سے کی کہ درسگاہ کا رنگ بدل گیا، ان کا حسن بیان اور دل ربا طریقہ دل کو خوب بھایا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ یہ بھی ہے کہ علم منطق کی کتاب ''قطبی'' آپ کے زیرِ درس تھی درسیات کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ منطق انتہائی خشک موضوع ہے، جس میں شرکت مجبورا ہوا کرتی ہے، اس گھنٹے میں خیالات کا ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ طالب علم کی ہیئت واحد حاضر جمع غائب کی سی رہتی ہے یعنی اس کا ہر عضو سوائے دھڑ کے درسگاہ سے باہر ہوتا ہے چنانچہ ایک طالب علم کسی خارجی عارض کے سبب قطبی کے گھنٹے میں غسل کرکے پہنچا، دیر حاضری پر ایک مسخرہ طالب علم نے کہہ دیا کہ حضرت یہ قطبی غسل کرکے پڑھتے ہیں، بس یہ سننا تھا کہ رنگ محفل بدل گیا اور طبیعت میں نشاط پیدا ہوگیا۔

اوقات کی پابندی اس قدر تھی کہ مدرسہ میں تعلیم کا اصل وقت شروع ہونے سے پہلے پندرہ منٹ میں مناجات (ترانہ) ودیگر معمولات ہوتے ہیں وہ ۱۵/منٹ ملازمت میں شمار نہیں ہوتے بلکہ یہ تبرع کے درجہ میں ہوتے ہیں؛ لیکن حضرت الاستاذ کبر سنی، ضعف اور نقاہت کے باوجود اس وقت کی بھی بے حد پابندی کیا کرتے تھے، جبکہ مدرسہ سے جائے قیام کے مابین تقریباً تین کلومیٹر کا فاصلہ ہے، اس سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ عمر کے اخیر سالوں میں کوئی رخصت اتفاقیہ و بیماری بھی درج نہیں ہے، اسباق کی حاضری اور عدمِ ناغہ، اوقات مدرسہ کا اہتمام در پردہ مجھ جیسے غافلوں اور لاپرواہوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔

جائے پیدائش اور ابتدائی تعلیم

بستی شہر سے تقریباً ۲۵/کلومیٹر دور ایک غیر معروف اور پسماندہ دیہات ''ہٹوا بازار'' ہے، وہیں سن ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں ایک معزز صدیقی گھرانہ میں آپ کی ولادت ہوئی، نام عبدالرؤف تجویز کیا گیا۔
سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: عبدالرؤف بن قل ھواللہ بن حیدر حسین بن احمد حسین۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں ایک مؤذن صاحب سے حاصل کی جن کا نام حاجی خیراللہ عرف

حاجی مانگی بتایا جاتا ہے، جو گاؤں ہی کی مسجد میں تعلیم دیا کرتے تھے، اس کے بعد کچھ ایام کے لئے حصول علم کی خاطر ''مدرسہ جعفریہ ہدایت العلوم'' کرہی ضلع بستی اور کچھ دن ''مدرسہ عربیہ رحمانیہ'' پسائی جو اس وقت ضلع صنعت کبیر نگر میں واقع ہے گذارے، مذکورہ جگہوں پر طبیعت کے اچاٹ ہونے اور آب و ہوا کے ناموافق آنے کی وجہ سے گاؤں ہی میں اپنے عم بزرگوار بافیض جید الاستعداد عالم حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مظاہری علیہ الرحمہ سے درسیات کی عربی سوم تک کی کتابیں پڑھیں، اور پورے شوق ولگن سے اکتساب فیض کیا۔

اس کے بعد ۱۳۷۳ء میں تعلیمی سلسلے کو جاری وساری رکھنے کی غرض سے مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے، وہاں مسلسل تعلیم میں مشغول رہ کر ۱۳۷۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، بخاری اور ابوداؤد شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے اور مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور ترمذی، نسائی اور طحاوی شریف حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری نور اللہ مرقدہ سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا نسیم احمد صاحب رحمت اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامع الہدی مرادآباد، اور خلیفہ محی السنہ حضرت مولانا الحاج عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی وناظم مجلس علمیہ حیدرآباد، اور حضرت مولانا وارث علی صاحب رحمت اللہ علیہ سیتاپوری قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد دو سال دار المبلغین لکھنؤ میں شعبۂ مناظرہ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب فاروقی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض فرمایا۔

اس کے بعد گاؤں ہی کے مدرسہ اشرف العلوم ہٹوابازار میں آپ کا تقرر ہوگیا، معاشی تنگی کی وجہ سے گورکھپور میں خیاطی کی دکان بھی ڈالی، امانت ودیانت داری اس قدر تھی کہ بچے ہوئے کپڑے کی ایک ایک کترن واپس کردیا کرتے تھے، دکان پر یہ چسپاں کرادیا گیا تھا کہ ''یہاں فقط اسلامی لباس سلا جاتا ہے'' جس کی وجہ سے خاطر خواہ ترقی نہیں ملی۔

چنانچہ پھر حصول ملازمت کے لئے کوشاں رہنے لگے، اس بیچ کانپور کا سفر کیا، وہاں قاضی شہر کانپور حضرت مفتی منظور احمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملاقات ہوئی، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھتے ہی اپنی دوراندیش نگاہوں سے آپ کے ورع وتقویٰ صلاحیت اور صالحیت کو بھانپ لیا اور ہردوئی جانے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ قاضی شہر کانپور حضرت مفتی منظور احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی جوہر شناس نگاہوں کا انتخاب بن کر ہردوئی آئے اور ان کے اعتماد پر کھرے اترے، حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ سے ملے تو انہی کے ہوکر رہ گئے،

نصف صدی سے زائد مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں اس طرح خدمت انجام دی کہ اپنا سب کچھ اپنے شب وروز، اپنا حسن عمل ادارہ کو دے دیا۔

حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ دو بھائی تھے، چنانچہ دس سال خدمت کرنے کے بعد زمین جائیداد کے بٹوارے اور دیگر حالات خاصہ کی وجہ سے ملازمت سے استعفیٰ دینا چاہا لیکن میرے شیخ اول شفیق الامت حضرت مولانا بشارت علی صاحب نور اللہ مرقدہ (حضرت نائب صاحب) نے استعفیٰ دینے سے منع فرمایا اور مشورہ دیا کہ مدرسہ سے رخصت لے لیں، حالات اپنے صحیح رخ پر آ جائیں تو پھر تشریف لے آئیں؛ چنانچہ رخصت لے کر وطن لوٹ آئے اور اپنے گاؤں ہی کے قریب مدرسہ ضیاء العلوم سکھوئی میں (جو اَب سدھارتھ نگر میں واقع ہے) تین سال خدمت انجام دیتے رہے، اس دوران حضرت محی السنہ و حضرت نائب صاحب علیہما الرحمۃ سے مستقل رابطہ استوار کئے رہے۔

اس علاقہ کا سفر ہوتا تو ملاقات بھی کرتے، چنانچہ جب مدرسہ اشرف المدارس میں مع اہل وعیال قیام کا نظم ہوگیا تو ۱۹۸۰ء میں دوبارہ مع ساز وسامان واہل وعیال ہردوئی تشریف لے آئے اور یہیں کے ہوکر رہ گئے۔

ادھر تقریباً اخیر کی دس بارہ سالہ زندگی بیماریوں کے تسلسل اور رفیقۂ حیات کے داغ مفارقت دے جانے کی وجہ سے بڑی مجاہدانہ، شاکرانہ وصابرانہ انداز پر گزر رہی تھی کہ جو مل گیا پہن لیا، جو کھلا یا وہ کھا لیا، جہاں بٹھایا وہاں بیٹھ گئے، یہاں تک کہ صحت روز بروز انحطاط پذیر ہورہی تھی، کبرسنی، ضعف اور نقاہت کی وجہ سے حالت تشویشناک بنی ہوئی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے اور سنتے ہی سنتے مؤرخہ ۱۶ / رجب المرجب ۱۴۴۵ھ، مطابق: ۲۸ / جنوری ۲۰۲۴ء بروز یکشنبہ تقریباً گیارہ بجے صباح میں چراغ محفل گل ہوگیا۔

اب قیامت تک آسودۂ خواب ہیں، باری تعالیٰ حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ کی مغفرت فرمائے آمین

تواضع و انابت کا سرمایہ دار تھا نہ رہا
وہ ایک زاہد شب زندہ دار تھا نہ رہا

اولاد واحفاد

پسماندگان میں چار لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں، جس میں ایک لخت جگر آپ کی حیات ہی میں راہیِ ملکِ عدم ہوگئی تھی، ماشاء اللہ دو لڑکے عالم ہیں، ایک مفتی ہیں، تیسرے غیر عالم ہیں، مولانا عبد العلیم صاحب، مفتی عبد الحلیم صاحب، مولانا عبد العظیم صاحب، بھائی عبد الحکیم صاحب، اول الذکر دونوں بھائی گجرات میں قیام پذیر ہیں، آخر الذکر دونوں بھائی ہردوئی ہی میں حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ رہتے تھے، سب کے سب متاہل ہیں

تعاقبِ فرقِ ضالہ

فلسطین کے مسلمان اور قادیانی گروہ

از: مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

اس وقت غزّہ کی سرزمین پر کفر وایمان کا معرکہ برپا ہے، اس معرکہ میں بیت المقدس کی آزادی کے لیے سرگرم اسلام پسند تحریک ''حماس'' کے زیر قیادت فلسطین کے جانباز نوجوان، بلند حوصلہ بزرگ حضرات، عفت مآب خواتین، حتی کے معصوم ننھے منے بچے شہادتوں کی ایک نئی تاریخ رقم کررہے ہیں، ان کے بالمقابل اسرائیلی حکومت نہتے فلسطینیوں پر ظالمانہ اور وحشیانہ کاروائیوں کے ذریعہ ظلم و بربریت اور درندگی وسفاکیت کے اپنے تمام سابقہ ریکارڈ کو توڑ رہی ہے، صرف مسلمان ہی نہیں تمام انصاف پسند اور انسانیت نواز افراد کھل کر واضح انداز میں اسرائیل کی غاصب وظالم حکومت کی مذمت کررہے ہیں، اس صورتِ حال میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مفادات اور مقاصد کے تحت اسرائیل کی کھل کر مذمت کرنے کے بجائے صرف مظلوموں کے لئے ''دعا'' کی بات کررہے، ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ حماس کے نہتے مجاہدین کے مقابلہ میں اسرائیلی کو ظالم بتاسکیں۔

اس کی واضح اور نمایاں مثال خود کو''احمدیہ کمیونٹی'' کہنے والے قادیانی فرقہ کی ہے، حماس کے خلاف اسرائیل نے جب غزّہ پر اپنے ظالمانہ اور وحشیانہ حملوں کا آغاز کیا تو اُس وقت اس بدنام زمانہ اسلام کے باغی گروہ کا بیان اُس کے آفیشل ویب سائٹ پر آیا، ''اسرائیل اور فلسطین کے درمیان حالیہ کشیدگی پر جماعت احمدیہ مسلمہ کا موقف'' عنوان کے تحت اس بیان میں کہا گیا:

> ''گذشتہ چند دنوں میں سینکڑوں اسرائیلی اور فلسطینی، جن میں خواتین، بچے اور بوڑھے شامل ہیں، بے جا تشدد اور خونریزی کے نتیجے میں ہلاک یا زخمی ہوچکے ہیں، معصوم شہریوں کا قتل یا انھیں نقصان پہونچانا پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے آں حضرت ﷺ کی تعلیم تھی کہ حالت جنگ میں کسی عورت، بچے یا بزرگ کو نقصان نہ پہونچایا جائے اور نہ ہی کسی مذہبی راہنما یا عبادت گاہ پر حملہ کیا جائے.........

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

آگے خطے کے مسلم ممالک کو قیامِ امن کے لئے متحدہ کوشش کا مشورہ دینے کے بعد لکھا ہے:

''.........اور اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ان بے گناہ فلسطینیوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے جن کا انتہا پسندوں سے کوئی تعلق نہیں......''

(حوالہ: ویب سائٹ احمدیہ مسلم کمیونٹی، پریس اینڈ میڈیا آفس مورخہ ۱۰/اکتوبر ۲۰۲۳ء)

اس بیان میں دو تین باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

۱) پہلی بات تو یہ کہ ''سیکڑوں اسرائیلی اور فلسطینی........'' کہہ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ حماس اور اسرائیل ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائیوں کا نشانہ بننے والی شہریوں کی تعداد برابر ہے، اس تعداد میں دونوں طرف کی خواتین بچے اور بوڑھے شامل ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کی جنگی کارروائیوں سے سینکڑوں نہتے اور بے گناہ فلسطینی متاثر ہوئے ہیں اور غزّہ کی پوری آبادی کو تباہ و تاراج کر دیا گیا، اس وقت غزّہ ایک خوفناک اور وحشت ناک ویرانہ بنا ہوا ہے، 30 ہزار فلسطینی مسلمان بھائی شہادت سے سرفراز ہوئے، 70 ہزار زخمی ہیں اور 20 لاکھ سے زائد فلسطینی گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، بھوک اور فاقہ کشی کے شکار امداد کی لائن میں کھڑے ہزاروں فلسطینی بھائیوں کو ظالم اور وحشی اسرائیل نے جنگی حملوں کا نشانہ بنایا اور اس کے بالمقابل حماس کی جنگی کارروائیوں کا نشانہ بننے والے اسرائیلوں کی تعداد ''سینکڑوں'' میں چند ہزاروں میں ہے، پھر اس میں عام شہری نہیں بل کہ فوجی ہے، دونوں فریق کی جنگی کارروائیوں سے متاثرین کی تعداد برابر بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ حریت پسند تحریک حماس کو بھی جنگی جرائم میں برابر کا شریک اور ذمہ دار ٹھہرایا جائے اور پھر اس کی آڑ میں اسرائیل کے ظلم و بربریت کو ''حقِ دفاع'' کہہ کر جائز قرار دیا جا سکے۔

۲) دوسرے یہ کہ بیان میں جنگ سے متعلق پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا حوالہ دیا گیا، یہ حوالہ اسرائیل کے لئے تو نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی اور پیغمبر مانتے ہی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی پیروی کا کیا سوال!! اس لئے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا حوالہ دینے کا مقصد حماس کی جوابی کارروائیوں کو غلط ٹھہرانا ہے اور پوری بد دیانتی و بدنیتی کے ساتھ یہ ثابت کرنا ہے کہ حماس اپنی کارائیوں میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی رہنماؤں اور مذہبی عبادت گاہوں کو نشانہ بنا رہا ہے، جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

حالاں کہ حماس کے مجاہدین کو اس نصیحت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، انھوں نے اپنی جان داؤ پر لگا کر اپنے پاس قید اسرائیلی شہریوں کی حفاظت کی، پھر دورانِ قید جنگی قیدیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات کا اعلیٰ نمونہ

پیش کیا، قید سے رہا ہونے کے بعد اسرائیلی شہریوں نے اس کا بھرپور اعتراف کیا، یہاں تک کہ رہا ہونے والی بعض اسرائیلی خواتین حماس کے مجاہدین کو نکاح کی پیش کش کردی، چنانچہ حماس کے خلاف دجالی میڈیا کے منفی پروپیگنڈہ کے باوجود اسرائیلی یرغمالیوں کے ساتھ اُن کا حسن سلوک کی خبریں میڈیا میں آگئیں، کیوں کہ اچھی اور سچی باتیں خوشبو کی طرح ہوتی ہیں وہ اپنا وجود منوائے بغیر نہیں رہتیں، بہ ہر حال حماس کے مجاہدین کے بارے میں ایک یرغمالی اسرائیلی خاتون کا حقیقت وسچائی پر مبنی تبصرہ اخبارات میں سرخیوں میں شائع ہوا، یہ تبصرہ اسرائیلی یرغمالی خاتون دانیال اوران کی ننھی بیٹی ایملیا کے خط کی شکل میں سامنے آیا، اس خط میں خاتون لکھتی ہیں:

’’میری بیٹی خود کو غزّہ میں ملکہ سمجھتی تھی اور سب کی توجہ کا مرکز تھی، اس دوران مختلف عہدوں پر موجود لوگوں سے واسطہ رہا اور ان سب نے ہم سے محبت، شفقت اور نرمی کا برتاؤ کیا، میں ہمیشہ ان کی مشکور رہوں گی، کیوں کہ ہم یہاں سے کوئی دکھ لے نہیں جارہے ہیں، اسرائیلی خاتون کے خط کے متن کے مطابق میں سب کو آپ کے اس حسن سلوک کے بارے میں بتاؤں گی جو غزہ میں مشکل حالات اور نقصان کے باوجود ہم سے کیا........‘‘

(روزنامہ اعتماد حیدرآباد، مورخہ ۲۹/نومبر ۲۰۲۳ء)

اسی طرح ایک اور خبر میں بتایا گیا:

’’ایک اسرائیلی صحافی نے ان افراد کے ردعمل کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ حماس کی جانب سے یرغمالیوں پر کوئی تشدد یا بُرا سلوک نہیں کیا گیا، مڈل ایسٹ مانیٹر کی رپورٹ کے مطابق اسرائیلی چینل 13 کے فوج سے متعلق امور کور کرنے والے صحافی بین ڈیوڈ نے بتایا کہ حماس کی جانب سے اسرائیلی یرغمالیوں کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا، انھوں نے کہا کہ میں نے رہا ہونے والے افراد سے بات کی اور سب نے ایک ہی کہانی دہرائی، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ حماس کے لوگوں نے ہمارا خیال رکھا، کھانا فراہم کیا اور ادویات مہیا کرنے کی کوشش کی........‘‘ (روزنامہ اعتماد حیدرآباد، مورخہ ۲۹/نومبر ۲۰۲۳ء)

قادیانیوں سے زیادہ تو وہ انصاف پسند اور حق گو یہودی لاکھ درجہ اچھے ہیں جنھوں نے حماس کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنے ہی ہم مذہب حکومت کی مخالفت کی اور کہا:

’’اسرائیل یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ غیر محفوظ جگہ ہے اور جرائم پیشہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نہیں.........‘‘ (دیکھیے روزنامہ منصف حیدرآباد، مورخہ ۴/جنوری ۲۰۲۴ء)

۳) قادیانی گروہ کی طرف سے جاری کردہ بیان کے اس حصہ سے قادیانیت کی حقیقت پوری طرح بے نقاب ہوگئی، اس میں کہا گیا:

''.........اس بات کو یقینی بنانا چاہئے کہ ان بے گناہ فلسطینیوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے جن کا انتہا پسندوں سے کوئی تعلق نہیں ہے.........''

یہاں ''انتہا پسندوں'' سے کون مراد ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے کسی ''دماغی ورزش'' کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ہر باخبر اس سے بخوبی واقف ہے کہ مکمل اسلامی نظام کی بات کرنے والے، دین، وطن اور عزت اور وقار کے لئے آزادی کی جنگ لڑنے والے، شانِ رسالت میں گستاخی اور شعائرِ اسلام کی توہین پر احتجاج کرنے والے غیور مسلمانوں کے لئے مغربی میڈیا میں ''انتہا پسند'' کی تعبیر استعمال کی جاتی ہے، اس تعبیر کے مطابق قادیانی گروہ حماس کے جانباز اور حریت پسند مجاہدین کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے ہے۔

حالاں کہ بادی النظر میں ''انتہا پسندی'' ہو یا ''شدت پسندی'' وغیرہ الفاظ جاہلانہ اور احمقانہ تعبیرات کے علاوہ اور کچھ نہیں، اپنی سوچ وفکر پر مضبوطی سے جمے اور ڈٹے رہنے کا نام ''شدت پسندی'' اور ''انتہا پسندی'' ہے تو یہ تعبیر صرف مذہب پسند اور دین وشریعت کے پابند مسلمانوں کے لئے کیوں؟؟ انسانی حقوق، مذہب کی آزادی، آزادیٔ نسواں وغیرہ پُرفریب نعروں کے حوالے سے مذہب بےزار افراد، آزاد خیال اور آوارہ مزاج معاشرہ کی سوچ وفکر میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے، یہ بھی اپنی کٹر پنتھی دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے، تو پھر انھیں ''شدت پسند'' اور ''انتہا پسند'' کیوں نہیں کہا جاتا؟؟ وہ تو اپنے زعم میں بہت ہی ''نرم خو انتہائی روادار اور متحمل مزاج'' ہوتے ہیں، اسرائیل کی فوجی کاروائی اور علانیہ ودر پردہ اس کی ہم نواء طاقتوں کے گھسے پٹے اقدامات اس نرم خوئی، رواداری اور بردباری کی عملی مثالیں ہیں۔

غرض یہ کہ قادیانی فرقہ چوں کہ اسلام دشمن عناصر کا پیدا کردہ اور ان ہی کا پروردہ گروہ ہے، اس لئے اُس کی یہ اوقات نہیں کہ وہ اپنے کسی موقف کے اظہار کے لئے آزادانہ تعبیر اختیار کرے۔

خود کو ''احمدیہ مسلم جماعت'' کہنے والے خارج اسلام قادیانی فرقہ کو عام طور پر ایک مذہبی فرقہ خیال کیا جاتا ہے، اس خیال کی وجہ قادیانی فرقہ کی طرف سے چند خاص موضوعات پر مذہبی بحثوں کو بڑھانا اور پھیلانا ہے اور مذہب کے عنوان سے اپنی سرگرمیاں چلانا ہے، لیکن جو لوگ اس فرقہ کے تاریخی پس منظر سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے زمانہ ظہور کے سیاسی وملکی حالات کا گہرا اور وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، ان کے نزدیک قادیانی فرقہ کی حقیقت ایک ''سامراجی ٹولہ'' اور ''استعماری گماشتہ'' کی ہے، یہ فرقہ اپنی تاریخ میں ہمیشہ ظالم وجابر اور غاصب حکومتوں کا

وفادار اور آلۂ کار رہا، مختلف مواقع پر دنیا کے ایک سے زائد ملکوں میں بیرونی طاقتوں کے لئے جاسوسی خدمات انجام دینا اوران ملکوں میں داخلی سطح پر سیاسی عدم استحکام کے حالات پیدا کرنا، اس فرقہ کا خاص مقصد و مشن ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت اور سچّائی ہے کہ سامراجی طاقتوں کی طرف سے ظالمانہ اور غاصبانہ انداز میں فلسطین کی سرزمین کو تقسیم کرنے کے بعد ایک ناجائز ریاست کی حیثیت سے یہودی مملکت ''اسرائیل'' کا قیام عمل میں لایا گیا، اس ناجائز ریاست کے استحکام اور اِس کے مقاصد و مفادات کی تکمیل کے لئے مختلف پہلوؤں سے منصوبہ بندی کی گئی، اپنے آپ کو ''احمدیہ کمیونٹی'' کہنے والا قادیانی گروہ چوں کہ خود برطانوی سامراج کا ''خود کاشتہ پودا'' ہے، اِس لئے سامراجی طاقتوں نے اسرائیل کو مضبوط اور محفوظ بنانے سے متعلق منصوبہ بندی میں قادیانی گروہ کو شامل کیا، چنانچہ ایک خالص یہودی مملکت میں قادیانی گروہ کو اپنی سرگرمیاں چلانے کی پوری اجازت ہے، حیفہ میں باضابطہ اس کا مرکز قائم ہے، اسرائیلی حکومت کے اعلیٰ عہدیداران دافسران سے قادیانیوں کے خصوصی مراسم اور تعلقات ہیں، چنانچہ جولائی 2017ء کو وزیراعظم ہند نریندر مودی نے اسرائیل کا دورہ کیا، اس موقع پر حکومت کی طرف سے سرکاری سطح پر جن مذہبی نمائندوں سے وزیراعظم کی ملاقات کا انتظام کیا گیا تھا، ان میں قادیانی فرقہ کا نمائندہ بھی شامل تھا، اس نمائندہ کی شمولیت دراصل قادیانی فرقہ پر اسرائیلی حکومت کی خاص عنایت وشفقت کا اظہار ہے، اسلام مخالف خدمات کے صلہ میں قادیانی فرقہ پر یہودی حکومت کی یہ عنایتیں اور شفقتیں اسرائیل کے ناجائز وجود کے بالکل ابتدائی دور ہی سے ہیں، قادیانی فرقہ کے ساتھ اسرائیل کے برادرانہ تعلقات کا تاریخی اور مذہبی پس منظر بھی ہے، اس کو جاننے اور سمجھنے کے سلسلہ میں چند حقائق ملاحظہ ہوں:

ا) اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیاء کرام کے ''جدامجد'' آپؑ کی طرف نسبت کرتے ہوئے مسلمان اپنے آپ کو ''ملت ابراہیمی'' کہتے ہیں، آپؑ کے دو فرزند تھے، ایک حضرت اسحاقؑ، دوسرے حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ کے فرزند حضرت یعقوبؑ ہیں، آپؑ کا لقب ''اسرائیل'' ہے، انبیاء بنی اسرائیل کا تعلق حضرت اسحاقؑ کی اولاد سے ہے، یہودی اپنا سلسلۂ نسب ''بنی اسرائیل'' سے جوڑتے ہیں، مرزا غلام قادیانی نے مختلف جگہوں پر اپنا خاندانی تعارف کرواتے ہوئے اپنا سلسلہ نسب بیان کیا ہے، ایک جگہ اس شخص نے اپنے بارے میں ''اسرائیلی'' ہونے کا دعوی کیا جس سے یہودی قوم کے ساتھ اس کے نسبی تعلق و رشتہ کا ثبوت ملتا ہے، چناں چہ یہ شخص لکھتا ہے:

> ''میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے، بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں...''
>
> (ایک غلطی کا ازالہ/ روحانی خزائن، ۱۸)

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

”...جو خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی.....“

(حوالہ سابق ص:۲۱۶)

۲) یہودیوں کے ساتھ قادیانی فرقہ کے بانی اور پیشوا کے اس نسلی ونسبی تعلق کے علاوہ اور بھی مشترکہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے یہودیت اور قادیانیت کے درمیان یک رنگی، یکجہتی اور ہم آہنگی اچھی طرح واضح ہوتی ہے، مثلاً:

الف: قرآن مجید میں یہودیوں کے مختلف جرائم بیان کیے گئے، ان میں ایک سنگین جرم یہ بھی ہے کہ وہ وقت کے نبیوں کو ناحق قتل کر دیا کرتے تھے، يَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اپنی اس مجرمانہ روش کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش و منصوبہ بندی سے بچا کر زندہ آسمان پر اٹھالیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید میں یہودیوں کے دعویٰ کو یوں بیان کیا گیا: وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اوران کا کہنا ہے کہ ہم ہی نے مسیح ابن مریم کو قتل کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے سے متعلق اس یہودی دعویٰ کی جھلک مرزا غلام قادیانی کے دعوی میں بھی صاف طور پر نظر آتی ہے، چناں چہ یہ شخص فخریہ طور پر اپنے دعویٰ کا اظہار کرتا ہے:

”اصل میں ہمارا وجود دو باتوں کے لئے ہے، ایک تو ایک نبی (یعنی عیسیٰؑ) کو مارنے کے لئے، دوسرا شیطان کو مارنے کے لئے“ (ملفوظات ج:۵ ص:۳۹۸ حاشیہ، مطبوعہ ہندوستان 2003ء)

ب: قرآن مجید کے بیان کے مطابق یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر قتل کیا، قرآن مجید پھر اس کی تردید بھی کرتا ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کی صاف نفی کی گئی کہ ”ان لوگوں نے انھیں سولی ہی نہیں دی“ قادیانی فرقہ قرآن مجید کی اس تردید کو تسلیم کرنے کے بجائے یہودیوں کے دعویٰ کی تائید کرتا ہے اور مانتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی، البتہ یہودیوں اور قادیانیوں کے ماننے میں صرف اتنا فرق ہے کہ یہودی سولی کی سزا دئے جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہوجانے کو مانتے ہیں، جب کہ قادیانی (قرآن مجید کی نفی کے خلاف) کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو صلیب پر تو چڑھایا گیا لیکن اس پر آپ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ علیہ السلام کی حالت ”مردہ کی سی“ ہوگئی تھی، چناں چہ اس سلسلہ میں مرزا غلام قادیانی کی وضاحت ملاحظہ ہوں:

”درحقیقت جس شخص کو صلیب پر کھینچا گیا اور اُس کے پیروں اور ہاتھوں میں کیل ٹھوکے

گئے یہاں تک کہ وہ اُس تکلیف سے غشی میں ہوکر مردہ کی سی حالت میں ہوگیا، اگر وہ ایسے صدمہ سے نجات پا کر پھر ہوش کی حالت میں آجائے تو اُس کا یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا میں پھر زندہ ہوگیا اور بلا شبہ اس صدمہ عظیمہ کے بعد مسیح کا بچ جانا ایک معجزہ تھا، معمولی بات نہیں تھی لیکن یہ درست نہیں، ایسا خیال کیا جائے کہ مسیح کی جان نکل گئی تھی......"

(حوالہ: مسیح ہندوستان میں/ روحانی خزائن ص: ۲۰، ج: ۱۵)

ج: قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی کو یہودیوں کی سازش سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: "میں تجھ کو کافروں کی تہمت سے پاک کروں گا" **ومطهرك من الذين كفروا** یعنی یہودیوں کی طرف سے آپ علیہ السلام کے نسب کے بارے میں لگائی تہمت سے آپ کی برأت ظاہر کروں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب سے متعلق یہودیوں کی اس بدترین تہمت کی موافقت مرزا غلام قادیانی بھی بہت ہی شرمناک طریقہ پر اس طرح کی ہے:

"آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا......"

(حوالہ: انجام آتھم/ روحانی خزائن، ج: ۱۱، ص: ۲۹۱)

اندازہ کیجئے کہ کس طرح مرزا غلام قادیانی ملعون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلۂ نسب کو مطعون اور مجروح کرنے کے لئے بدزبانی اور فحش گوئی کی انتہاء کردی، "نانیاں" کہہ کر والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف سے خاندانی سلسلہ کو متّہم کیا، اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بغیر والد کے پیدا ہوئے، لیکن مرزا غلام قادیانی نے "تین دادیاں" کہہ کر آپ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا انکار کیا ہے جب آپ علیہ السلام کے والد ہی نہیں ہے تو پھر "دادیاں" کہنے کا کیا مطلب؟؟۔

د: قرآن مجید میں آپؑ کے معجزات صاف اور واضح انداز میں بیان کئے گئے (دیکھئے: آل عمران: ۴۹) یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کا انکار کرتے ہیں اور اُس کو شعبدہ بازی قرار دیتے ہیں چناں چہ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

"یسوع نے بہ حیثیت معلم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بہ حیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت و ناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی"

(ج: ۷، ص: ۱۶۷ بہ حوالہ تفسیر ماجدی، ج: ۱، ص: ۵۷۸۴)

یہودیوں کی تقلید اور تائید میں یہی بات مرزا غلام قادیانی نے یوں کہی ہے:

"یہ حضرت مسیح کا معجزہ (پرندے بنا کر ان میں پھونک مار کر اڑانا) حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا، تاریخ سے ثابت ہے کہ اُن دنوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے کہ جو شعبدہ بازی کی قسم میں سے اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے......" (ازالہ اوہام/ روحانی خزائن ج ۳،ص: ۲۵۴ حاشیہ)

ایک جگہ مرزا غلام قادیانی نے قرآن مجید میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کردہ معجزات کا کھل کر یوں انکار کیا ہے:

"غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک کر انھیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا، نہیں، بلکہ صرف عمل الترب تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا......" (حوالہ: سابق ص: ۶۲۳ حاشیہ)

بیت المقدس کے بارے میں قادیانیوں کا نظریہ:

بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دیئے جانے سے پہلے مسلمان اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، اس کے علاوہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج کے موقع پر اسی مسجد میں تمام انبیاء کرام کی امامت فرمائی اور پھر یہاں سے سات آسمانوں کا سفر فرمایا، ان خصوصیات کی وجہ سے بیت المقدس مسلمانوں کے نزدیک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد تیسرا مقدس مقام ہے ــــــ اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی بھی اس مقام کو مقدس ومحترم مانتے ہیں لیکن مسلمان چوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ساتھ گذشتہ تمام انبیاء کرام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وہ بیت المقدس کی تولیت کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور مسلمان بجاطور پر اس تولیت کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں، ۱۶ ؁ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا اور پہلی مرتبہ بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کو حاصل ہوئی، اس کے بعد 1099ء مطابق ۴۹۲ ؁ھ میں یہودی دوبارہ اس پر قابض ہو گئے یہاں تک کہ 1187ء مطابق ۵۸۳ ؁ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو فتح کیا، اس کے بعد ۷۸۰ / سال مسلمان بیت المقدس کے متولی رہے، یہاں تک کہ 1967ء میں تیسری مرتبہ بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا اور تا حال یہ قبضہ برقرار ہے، گذشتہ نصف صدی سے قبلہ اول بیت المقدس کی آزادی کے لئے فلسطینی مسلمانوں کی جدوجہد جاری ہے، اس جدوجہد میں اُن کی کئی نسلیں قربان ہو چکی ہیں، اس جدوجہد کی وجہ سے آج بھی فلسطینی بھائیوں اسرائیلی حکومت کی طرف

سے بدترین ظلم وتشدد کا سامنا ہے، دنیا بھر کے مسلمان قبلہ اول کی آزادی کی تمنا اور تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہیں اور فلسطینی بھائیوں کی جدوجہد کی کامیابی کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔

اس سب کے برخلاف اور برعکس بیت المقدس کے حقِ تولیت کے سلسلہ میں قادیانی فرقہ کا نقطہ نظر اور اُس کی سوچ کیا ہے؟ یہ فرقہ کھلے اور واضح طور پر بیت المقدس پر مسلمانوں کی تولیت کو تسلیم نہیں کرتا، اس فرقہ کے اخبار روزنامہ ''الفضل قادیان'' میں ملاحظہ فرمائیں:

''اگر یہودی اس لئے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں کہ وہ جناب مسیح علیہ السلام اور حضرت نبی کریم ﷺ کی رسالت ونبوت کے منکر ہیں اور عیسائی اس لئے غیر مستحق ہیں کہ انھوں نے خاتم النبیین ﷺ کی رسالت ونبوت کا انکار کردیا ہے تو یقیناً یقیناً غیر احمدی (مسلمان) بھی مستحق تولیت بیت المقدس نہیں، کیوں کہ یہ بھی اس زمانہ میں مبعوث ہونے والے خدا کے اولوالعزم نبی (مرزا غلام قادیانی از ناقل) کے منکر اور مخالف ہیں اور اگر کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت ثابت نہیں تو سوال ہوگا کہ کن کے نزدیک؟ اگر جواب یہ ہو کہ نہ ماننے والوں کے نزدیک تو اسی طرح یہود کے نزدیک مسیح اور آں حضرت ﷺ اور مسیحیوں کے نزدیک آں حضرت ﷺ کی نبوت ورسالت بھی ثابت نہیں اگر منکرین کے فیصلہ سے ایک نبی غیر نبی ٹھہر جاتا ہے تو کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا اجتماع ہے کہ نعوذ باللہ آں حضرت ﷺ نبی اور رسول نہ تھے، پس اگر ہمارے غیر احمدی بھائیوں کا یہ اصول درست ہے کہ بیت المقدس کی تولیت کے مستحق تمام نبیوں کے ماننے والے ہی ہوسکتے ہیں تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ احمدیوں (قادیانیوں) کے سوا خدا کے تمام نبیوں کا مومن اور کوئی نہیں''

(حوالہ: الفضل قادیان ۷/نومبر/۱۹۲۱ء بہ حوالہ قادیان سے اسرائیل تک ص:۱۰۰)

اسرائیل میں قادیانی فرقہ کی سرگرمیوں کی تاریخ:

اسرائیلی حکومت کے ساتھ فرقہ کے تعلقات بہت پرانے ہیں اور اسرائیل کے ناجائز وجود کے بعد سے ہی اس فرقہ کی ارتدادی سرگرمیاں جاری ہیں، ۱۹۴۸ء میں غاصبانہ اور ظالمانہ طریقہ پر اسرائیل کا قیام عمل میں آیا، اس وقت پورے فلسطین پر ایک قیامت برپا تھی، ہر طرف ظلم وتشدد کا ننگا ناچ کھیلا جارہا تھا، اس کی وجہ سے ہزاروں فلسطین بے گھر ہوگئے، اُن کی بستیاں اجاڑ دی گئیں، بہت سی جانیں آگ اور خون کی ہولی کی نذر ہوگئیں، جو بچ بچا کر کسی طرح بھاگ نکلے وہ کھلے آسمان تلے کیمپوں میں زندگی گذارنے پر مجبور ہوگئے، ہر طرف

خوف ودہشت کا ماحول تھا، عین ان حالات میں قادیانی پورے سکون واطمینان کے ساتھ جھوٹی نبوت کی تبلیغ کررہے تھے، کتاب ”قادیان سے اسرائیل تک“ کے فاضل مؤلف ”ابومدثرہ“ لکھتے ہیں:

ان پُرآشوب حالات میں جب مسلح صیہونی غنڈے نہتے عربوں پرظلم ڈھا رہے تھے، فلسطین کے طول وعرض میں بوڑھوں، بچوں اورعورتوں کا قتل عام کیا جارہا تھا، یروشلم کی گلیاں اور بازار بے گوروکفن لاشوں سے اٹے پڑے تھے، ہزاروں بے یارومددگار فلسطینی پناہ گزیں کھلے کیمپوں میں پڑے بھوک کی اذیتیں برداشت کررہے تھے، مسیح موعود کے قادیانی غنڈے ان مظلوموں کے کیمپوں میں گھس گھس کرانھیں مرزا (قادیانی) کی نبوت کا ذبہ پرایمان لانے کی دعوت دینے میں مصروف تھے اورصیہونی انٹلی جنس کے لئے کام کررہے تھے“(ص:۲۶)

قادیانی فرقہ کی ان ارتدادی سرگرمیوں کی روداد ایک قادیانی مبلغ رشید احمد چغتائی نے اپنے قادیانی مرکز کو ارسال کردہ رپورٹ بابت ماہ اگست تا اکتوبر ۱۹۴۸ء میں لکھا ہے، اس شخص نے رپورٹ میں بتایا:

”فلسطین کے شہرصوراپنے حیفا کے احمدی بھائیوں تک پہونچنے کے سلسلہ میں گیا، جہاں فلسطینی پناہ گزینوں میں تبلیغ کی، احمدی بھائیوں کی خواہش پر دویوم یہاں رہا، تبلیغ کے علاوہ ان کی تربیت کے لئے بھی وقت صرف کیا، یہاں ۲۹/کس کو تبلیغ کی، ایک شخص سے خاص طورپر تبادلہ خیالات دوروز تک چارسے چھ گھنٹے تک ہوتا، انھیں بعض کتب بھی مطالعہ کے لئے دی گئیں۔(الفضل لاہور ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہودی مذہبی ریاست کی حیثیت سے مکروفریب کے مختلف حربوں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ ”اسرائیل“ دنیا کے نقشہ پرظاہر ہوا، اسرائیلی حکومت اپنی اس نظریاتی شناخت کی بقاء وتحفظ کے لئے بہت ہی حساس ہے، حکومتی سطح کے انتظامات کے موقع پر اس کا اظہار بھی ہوتا ہے، چناں چہ سیاسی اور سفارتی نقطۂ نظر سے کتنی ہی اہم مصروفیت کیوں نہ ہو، یہ ہفتہ کے دن نہیں رکھی جاتی، کیوں کہ یہ دن یہودیوں کے یہاں مذہبی اعتبار سے تعطیل کا ہوتا ہے، اس دن کابینہ کی میٹنگ نہیں ہوتی اور نہ یہاں کے وزیراعظم کسی بیرونی شخصیت یا وفد سے ملاقات کرتے ہیں، یہودی شناخت کوخطرہ کے پیش نظر اسرائیلی حکومت اپنے یہاں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو اپنی مذہبی سرگرمیاں چلانے کی اجازت نہیں دیتی لیکن اس سب کے باوجود مذہب کے نام پر قادیانی فرقہ کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی کھلی آزادی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قادیانی فرقہ کی ”مذہبی سرگرمیوں“ کی حقیقت یہودی حکمرانوں کو اچھی طرح معلوم ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ قادیانی عقائد وعزائم کے

تجزیہ کرنے کے بعد فرمایا تھا ’’قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے‘‘ اس لحاظ سے یہودی حکمرانوں کے نزدیک قادیان سرگرمیوں کی نوعیت خود اپنی ہی مذہبی سرگرمیوں کی سی ہے، اس لئے وہ ان سرگرمیوں کو ’’یہودیت‘‘ کے لئے خطرہ نہیں سمجھتے بلکہ یہودی مقاصد کے فروغ اور یہودی مفادات کے تحفظ کا ذریعہ سمجھتے ہیں، چناں چہ اسرائیل کے حکومتی اور سیاسی حلقوں میں قادیانی فرقہ کا بڑا اثر ورسوخ ہے اور فلسطینی مسلمانوں کے خلاف حکومت کے ظالمانہ اقدامات کو بروئے کار لانے میں قادیانی فرقہ کا مخصوص کردار اور اس کی ایک خاص پوزیشن ہے، اس سلسلہ میں مرزا غلام قادیانی کا پوتا مرزا مبارک احمد اپنی کتاب ’’ہمارے بیرونی مشن‘‘ میں لکھتا ہے:

’’قارئین ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہمارے مشن کی پوزیشن کا اندازہ لگاسکیں گے جو اُسے اسرائیل میں حاصل ہے ،۱۹۵۶ء میں جب ہمارے مشنری چوہدری محمد شریف تحریک (قادیانیت) کے ہیڈکواٹر پاکستان آنے لگے تو اسرائیل کے صدر نے انھیں پیغام ارسال کیا کہ وہ جانے سے قبل انھیں ملیں، چوہدری محمد شریف نے موقع سے فائدہ اٹھا کر قرآن حکیم کے جرمن ترجمہ کی ایک کاپی آپ کو پیش کی جو آپ نے بہ خوشی قبول کی‘‘

(بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک ص:۲۰۹)

غرض یہ کہ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہے کہ قادیانی گروہ سامراج طاقتوں کا یار اور آلہ کار ہونے کی حیثیت سے آج بھی ان طاقتوں کے مفادات کی تکمیل میں سرگرم ہے، اس لئے یہ گروہ آج کھل کر غزہ کے مسلمانوں پر اسرائیلی مظالم کی مذمت نہیں کرر ہا ہے، دکھاوے کے لئے کچھ بیان بھی جاری کرتا ہے تو وہ کچھ اس انداز کا کہ ظالم کو ظلم سے روکنے کے بجائے اُلٹا خود مظلوم کے دفاع کرنے کو غلط بتایا جارہا ہے، اس لئے تحریکِ ختم نبوت کے سرکردہ رہنما اور مایہ ناز مصنّف شورش کاشمیریؒ نے بہت ہی مختصر اور دل چسپ انداز میں سامراجی طاقتوں کے ساتھ قادیانی گروہ کی ساجھے داری کو یوں بے نقاب کیا ہے:

’’مرزا قادیانی برطانوی اغراض کا روحانی بیٹا تھا، قادیان، مرزائیت کی جائے پیدائش، ربوہ اعصابی مرکز، تل ابیب تربیتی کیمپ، لندن پناہ گاہ، ماسکو استاذ اور واشنگٹن اُس کا پینک ہے‘‘ (ہفت روزہ ’’چٹان‘‘ اپریل ۱۹۷۴ء)

اللہ تعالیٰ قادیانی گروہ اور اُس کی سازشوں سے عالم اسلام بالخصوص فلسطینی بھائیوں کی حفاظت فرمائے۔

آمین

افاداتِ اکابر

درسِ مشکوٰۃ

درجِ ذیل تحریر دراصل ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں جماعت موقوف علیہ کے طلبہ کے درمیان مشکوٰۃ شریف کے جزءِ اول کا آخری درس ہے جو تبرکاً وتیمناً حضرت مدیر محترم دامت برکاتہم سے لیا گیا ہے، قارئین کے افادہ کے لئے پیش خدمت ہے۔ از: مرتب

باب زیارۃ القبور

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول ہو زوجی وابی فلما دفن عمر معہم فواللہ ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر رضی اللہ عنہ

(مشکوٰۃ، رواہ احمد)

پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ عموماً رجب کے اختتام تک مکمل ہوجاتا ہے، اس کے بعد طالب علموں کو اپنے امتحان کی تیاری میں مصروف رہنا ہوتا ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے اس کا اختتام فالِ نیک کے طور پر متعلقہ اساتذہ تیمناً کسی استاذ سے یا کسی بزرگ سے کرالیا کرتے ہیں، مفتی محمد احمد علی صاحب نے مشکوٰۃ شریف کا یہ حصہ آپ کو پڑھایا ہے اور اس حصے کے اختتام پر نصیحت اور دعا کی غرض سے اختتامی سبق اس ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں کرلینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

زیارتِ قبور کی ممانعت، مصلحت اور اجازت

آپ لوگوں نے ابھی زیارتِ قبور کی اجازت سے متعلق حدیث پڑھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کسی مصلحت سے زیارتِ قبور سے منع فرمادیا تھا، اور اس ممانعت کی جو مصلحتیں بیان کی جاتی ہیں، ان میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں مختلف قسم کے مشرکانہ مراسم اور رواج جاری تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی باتوں سے جو سماجی، معاشرتی اور دینی اعتبار سے پہلے سے اچھی چلی آرہی تھیں منع نہیں کیا اور جو چیزیں اچھی تو تھیں مگر اُن کا طریقہ صحیح نہیں تھا تو توقف فرمایا، جب تک عقیدہ وذہن بہتر نہیں بن گئے اصلاح فرماتے رہے۔

ابتداءِ اسلام میں بہت سی مشرکانہ چیزیں ذہنوں میں تھیں اور پہلے سے غیر اسلامی طریقے رائج تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ لوگوں کا مزاج توحید پر مضبوط و مستحکم ہو جائے، جب اچھی طرح سے ہر چیز میں توحید غالب آجائے گی، فکر و سوچ میں توحید کا رنگ جم جائے گا تو پھر آدمی کا ہر عمل شرک کے رنگ سے محفوظ ہو جائے گا، اس لئے حضور علیہ السلام نے قبروں پر جانے اور قبروں کی زیارت کرنے سے روک دیا تھا لیکن حیاتِ طیبہ میں ایک موقعہ پر خود ہی اعلان فرمایا: میں نے ہی ایک وقت تک کے لئے زیارتِ قبور سے روکا تھا، اور دیکھا کہ جب عقیدۂ توحید پر طبیعتیں راسخ ہو گئیں، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے صحیح تعلق قائم ہو گیا اب اجازت دیتا ہوں: ''فزوروھا'' اب قبروں کی زیارت کیا کرو، اجازت ہی نہیں بل کہ حکم بھی دیا، اور وجہ بھی بتادی کہ یہ آخرت کو یاد دلانے والی چیز ہے۔

جب آدمی قبرستان جائے گا تو قبرستان میں لوگوں کا جو انجام ہوا، اور اُن کی جو ہیئت و حالت ہے، وہ آنکھوں کے سامنے آئے گی اس طرح اپنے بارے میں بھی سوچنے کا موقع ملے گا، آدمی سوچے گا کہ ایک دن سب کا یہی حشر ہونا ہے، آج ہم کسی کی زیارت کرنے آئے ہیں کل کوئی ہماری زیارت کرنے آئے گا، اور ہم کو بھی اسی جگہ پر آرام کرنا ہے کوئی اور ٹھکانہ نہیں، آدمی کتنا ہی صالح ہو کہ فاسق اور عاجز ہو کہ متکبر سب کا ٹھکانہ ایک ہی ہے، ولادت سے پہلے سب ایک تھے اور موت کے بعد بھی سب ایک ہو جائیں گے اور جب سب کو ایک ہی ہو جانا ہے تو پھر یہ دنیا میں اونچ نیچ کیا ہے؟ چھوٹا اور بڑا، حقیر اور وقیع کا فرق کیا ہے؟ اگر فرق ہے تو وہ ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو سکتا ہے اس کے علاوہ کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس کی بنیاد پر کوئی چھوٹا ہو جائے تو کوئی بڑا ہو جائے، کوئی عزت کے قابل ہو جائے تو کوئی تحقیر کے قابل ہو جائے، دنیا میں آدمی کو بڑا بنانے والی کوئی چیز نہیں، نہ حسن، نہ جمال، نہ مال، نہ دنیوی حیثیتیں، نہ دنیوی ڈگریاں اور نہ مقامات، اگر کچھ ہے بھی تو وہ ایمان اور تقویٰ ہے اور بس: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم. اللہ نے ایک ضابطہ بنادیا ہے وہ یہ ہے کہ ''جو زیادہ ایمان والا ہے وہ زیادہ اکرام کے قابل ہے، جو زیادہ تقویٰ والا ہے وہ سب سے معزز و مکرم ہے۔

اسی تذکرِ آخرت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارتِ قبور کو مسلمانوں کے لئے جائز و مباح کر دیا، اس لئے کبھی کبھی مسلمانوں کو قبرستان جانا چاہیے، لیکن صرف اسی مقصد سے جانا چاہیئے کہ تذکرِ آخرت ہو اور اپنی قبر یاد آئے، اور اگر وہاں میلے ٹھیلے اور تماشے ہوں، وہاں عورتیں ہوں، بے پردگی ہو، بے حیائی ہو، کسی مارکٹ اور بازار میں ایمان خراب ہونے سے بھی زیادہ ایسی جگہوں پر ایمان خراب ہوتا ہو، ایسی جگہوں سے احتراز کرنا چاہیئے کیوں کہ وہاں پر دیگر منکرات نے زیارتِ قبور کی ممانعت کو بحال کر دیا، اس لئے وہاں تو آدمی نہ جائے البتہ عام قبرستان کو کبھی کبھی جائے جہاں مسلمان آرام کر رہے ہیں، وہاں بھی صرف اسی لئے جائے کہ تذکرِ آخرت

ہو، اپنی منزل یاد آئے، اپنا انجام اور منتہاء یاد آئے، نظیرا کبرآبادی نے کہا۔

کئی بار ہم نے دیکھا کہ جن کا مشین بدن تھا معطر کفن تھا
جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا نہ عضو بدن تھا نہ تارِ کفن تھا

تو اس وجہ سے ان سب چیزوں کی طرف آدمی کا دھیان جاتا ہے، اور آدمی اس کو سوچتا ہے۔

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بہلول دانا کا قابل نصیحت واقعہ

کہا جاتا ہے کہ بہلول دانا ،صوفی قسم کے آدمی تھے، بچے ان کی پگڑی اور ٹوپی چھین کر ایک طرف کو بھاگے، وہ دوسری طرف کو بھاگے، اور قبرستان کی گیٹ پر کھڑے ہوگئے، کسی نے کہا: کہ یہاں بغیر ٹوپی پگڑی کے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ کہنے لگے: بچے میری ٹوپی چھین کر لے گئے ہیں، کہا کہ: بچے تو کہیں اور بھاگے ہیں آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ کہنے لگے: کس کس گلی میں جا کر اُن کو ڈھونڈوں، یہ ایک ایسا دروازہ ہے سب محلہ والوں کو یہیں پر آنا ہے، جب یہیں آئیں گے تو مل جائیں گے، میں اُن سے پوچھ لوں گا۔ دراصل اللہ کے نیک بندے بچوں کی کسی حرکت سے ناراض ہو کر نہیں بل کہ ایک ایسے طریقے سے عبرت اور سبق دینا چاہتے تھے کہ میری یہ بات ذہن میں بیٹھ جائے گی تو پھر آگے کبھی کسی کو نہیں ستائیں گے۔

اسی طرح کبھی کبھی آدمی کو ہسپتال بھی چلے جانا چاہیے اور نگاہوں کی حفاظت کرتے ہوئے محض جنرل وارڈ میں عام بیماروں کی حالت کو دیکھ کر سبق لے کر آجانا چاہیے، ہو سکے تو مدد کر دے اور کچھ نہ ہو سکے تو کوئی بات نہیں، لیکن آدمی یہ غور کرے کہ ہماری آنکھ سلامت ہے، ہمارے کان ٹھیک ہیں، ہمارے پیر صحیح ہیں، ہم لولے لنگڑے نہیں ہیں، ہم اندھے نہیں ہیں، ہم کانے نہیں ہیں، ہم بہرے نہیں، ہم گونگے نہیں ہیں، لوگ کیسی کیسی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، اگر نفس بہت سرکشی کر رہا ہے تو مہینے میں ایک مرتبہ آدمی جا کے دیکھ لے؛ تا کہ عبرت ملے کہ کیسی نعمتیں اللہ نے دے رکھی ہیں؟ اس کا تو شکر نہیں ادا کرتا، اور جو نعمت کسی مصلحت سے اللہ نے نہیں دی اس کا شکوہ کرتے رہتا ہے، یہ کیسا نفس ہے جو شکوہ کرنا تو جانتا ہے شکر کرنا نہیں جانتا۔

دوسری بات حدیث میں سمجھنے کی یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اور اُن ہی کے گھر میں ہوا، اُن ہی کے حجرے میں تدفین ہوئی، وہ وہیں پر رہتی تھیں تو گھر میں جیسے عام طور پر رہتی ہیں ویسے ہی رہا کرتی تھیں کچھ زیادہ احتیاط نہیں کرتی تھیں، کیوں کہ وہ رشتے کے اعتبار سے شوہر تھے جو زندگی

میں زمین کے اوپر رہا کرتے تھے اور اب زیرِ زمین آرام فرما رہے ہیں، (باقی نبی تھے یہ اپنی جگہ بہت بڑی بات تھی) یعنی بے تکلف رہا کرتی تھیں، پھر دو برس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا وصال ہوا، تو حضرت ابوبکرؓ کی بھی تدفین وہیں ہوئی، اب بھی حضرت عائشہؓ کو رہنے میں کچھ زیادہ تکلف نہیں تھا، اس لئے کہ ایک تو ابا جان ہیں اور ایک شوہر ہیں، پھر جب حضرت عمرؓ کا وصال ہوا تو وصال سے قبل اجازت مانگی اور اپنے بیٹے کو بھجوایا کہ اماجان کو سلام کہو اور پوچھو کہ اجازت ہو تو میں بھی اپنے دو رفیقوں کے ساتھ دفن ہو جاؤں؟ آپ کا حجرہ ہے، پوچھا گیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر چہ یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی، لیکن میں اپنے پر عمرؓ کو ترجیح دیتی ہوں ان کا مقام زیادہ ہے، وہ نبی کے مقربین میں سے ہیں، مناسب ہے کہ اُنہی کی تدفین کردی جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی کہ میری تجہیز و تکفین کے بعد میرا جنازہ مسجد کے پاس لے جا کر رکھو، اور پھر اماں جان سے پوچھو! اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ زندگی میں میرے رعب و دبدبہ کی وجہ سے اجازت دی ہو، اب جب میں مر گیا ہوں تو پھر ایک دفعہ احتیاطاً پوچھ لو کہ وہ اب بھی بہ خوشی راضی ہیں، اُن سے کہو کہ اگر آپ بخوشی راضی ہیں تو عمرؓ کی تدفین یہاں کی جائے گی نہیں تو پھر مجھے عام قبرستان میں دفن کر دینا'' یہ وصیت فرمائی تھی۔ چناں چہ بعد میں بھی پوچھا گیا اور حضرت عائشہؓ نے بعد میں بھی خوشی سے اجازت دی اور کہا کہ ''ان کا حق ہے اُن کی تدفین کی جائے'' چناں چہ حجرۂ عائشہ میں حضرت عمرؓ کی بھی تدفین ہوگئی۔ اسی عنوان سے حضرت عائشہؓ یہ فرما رہی ہیں کہ اب جب میں اپنے شوہر اور ابا کی زیارت کرنے کے لئے آتی، تو پہلے لباس اوڑھنے اور بال چھپانے وغیرہ کے سلسلے میں بے تکلفی تھی اُس طرح اب نہیں آتی تھی، کیوں کہ وہ تو ابا اور شوہر تھے، اب یہ عمرؓ بھی مدفون ہیں، یعنی نامحرم ہیں، اس لئے اب میں ذرا احتیاط سے آتی اسی کو کہا: انی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی تو پہلے سر کا کپڑا وغیرہ وہ زیادہ اہتمام نہیں کرتی تھی، یہ سوچتی تھیں کہ یہ میرے شوہر ہیں یہ میرے ابا ہیں یہ تو سب میرے محرم ہیں، فلما دفن عمر معھم فواللہ ما دخلت الا وانا مشدودۃ علی ثیابی تو خدا کی قسم! عمرؓ کی تدفین کے بعد سے باقاعدہ برقعہ اور حجاب کے ساتھ آتی تھیں، آج کل ہم اس کو برقعہ کہتے ہیں، تو یہ حضرت عائشہؓ کی غایتِ حیا ہے اور حضرت عائشہؓ کے اندر اللہ نے حیا کا غیر معمولی کمال رکھا تھا، اسی بات سے علماء نے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ جو مسلمان قبر میں مدفون ہوتا ہے اس میں حیات ہوتی ہے، اگر حیات بالکل نہ ہوتی تو حضرت عائشہؓ کے اس احتیاط کی وجہ کیا تھی؟ اس لئے کہا گیا کہ ھذا اوضح دلیل یہ بہت واضح دلیل ہے کہ مردہ قبر کے اندر زندہ ہوتا ہے، اللہ اس کو ایک حیاتِ برزخی عطا فرماتے ہیں۔

زیارتِ قبور کا ادب

زیارت کرنے والوں کو اہل قبور کے ساتھ احتیاط کا معاملہ کرنا چاہیئے، اس کا خیال اور دھیان ہونا چاہیئے کہ وہاں کسی قسم کے منکر میں ابتلا نہ ہونے پائے، اس میں ان کی عزت کا بھی خیال ہے، جیسے حضرت عائشہؓ نے اپنی حیا کو ملحوظ رکھا، وہیں پر ان مرحومین کے عزت واحترام کو بھی ملحوظ رکھا، یہ ان کے احترام کا تقاضا تھا۔

خلاصۂ حدیث

تو اس سے آپ کو تین باتیں معلوم ہوئیں: (۱) تو یہ کہ زیارتِ قبور مسنون ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی، صحابہ اور صحابیات کا معمول تھا، (۲) دوسرے یہ کہ اجازتِ زیارتِ قبور میں خواتین بھی شامل ہیں یا نہیں؟ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مردوں سے تو خطاب کیا تھا بہ طور خاص عورتوں کے بارے میں تو نہیں فرمایا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ عورتوں کے واسطے مطلقاً ممنوع ہے، لیکن دیگر حضرات کہتے ہیں کہ مطلقاً تو ممنوع نہیں ہے لیکن سداً للذریعہ ان کو احتیاط کرنا چاہیئے، کیوں کہ وہ کمزور دل کی ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ منظر ان کے اوپر زیادہ اثر کر جائے جس کی وجہ سے کچھ ذہنی توازن ختم ہو جائے، یا یہ کہ وہ بے خود ہو جائیں، اور جزع وفزع شروع کر دیں، اور بعض منکرات میں مبتلا ہو جائیں، ان چیزوں کا مرد سے خطرہ نہیں ہے، ان چیزوں کا عورت سے خطرہ ہے اس لئے عورت اس سے احتیاط کرے تو بہتر ہے، فی نفسہٖ ان کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ بھی زیارتِ قبور کر سکتی ہیں بہ شرطے کہ اپنے اوپر اعتماد اور اطمینان رکھتی ہوں۔

(۳) تیسرے یہ کہ جانا اس لئے ہے کہ تذکرِ آخرت ہو اور موت یاد آئے بس یہی منشا ہے۔

حدیث پاک کا ایک اہم نکتہ اور سبق

سب سے بڑا سبق اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ بڑے علم والی اور بڑے فضل والی خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی دین کی فہم عطا فرمائی تھی، اور ان کی جو یہ احتیاط ہے یہ احتیاط مجموعی طور پر آدمی کو احتیاط سکھاتی ہے، کہ یہ خوبی صرف اسی ایک مسئلے کی نہیں ہے بل کہ اُن کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ ہر خلافِ احتیاط چیز سے بچتی تھیں یہ تو ایک مثال ہوگئی ہے، آدمی کو ہر جگہ جہاں اندیشہ معصیت ہو یا صورتِ معصیت، ہر ایک سے بچے، یہاں تو بے پردگی کے گناہ کا سوال ہی نہیں تھا وہ تو منوں مٹی کے نیچے تھے، اس کو بے پردگی تو نہیں کہتے، لیکن جب آدمی کی طبیعت بن جاتی ہے تو پھر وہ احتیاط وتقویٰ کے اعلیٰ معیار پر ہوتا ہے تو یہ اعلیٰ معیار ہے حکمِ شرعی نہیں۔ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

بیٹی کے نام وصیت

سوال: ایک شخص انتقال سے پہلے اپنی بیٹی کے نام اپنی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی وصیت کی تھی تو کیا دوسرے وارثین کی موجودگی میں صرف بیٹی کے نام وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: دوسرے وارثین کی مرضی اور اجازت کے بغیر صرف ایک وارث کے حق میں شریعت اسلامی کے اعتبار سے وصیت نافذ نہیں ہوتی اور ایسی صورت میں وصیت کالعدم قرار دیکر تمام ترکہ منقولہ وغیر منقولہ تمام شرعی ورثاء کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم کر دینا لازم ہوتا ہے۔(فتاویٰ قاسمیہ:۲۵/ ۹۸)

سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کا چھوڑ دینا

سوال: اگر فرض نماز میں سورۂ فاتحہ کی کوئی آیت چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنن ونوافل اور وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مکمل پڑھنا واجب ہے، لہٰذا اگر بھول سے اس کی کوئی آیت یا کوئی جزو رہ گیا تو اس کی تلافی کے لئے سجدۂ سہو لازم ہوگا؛ البتہ اگر فرض کی آخری دو رکعتوں میں پوری سورۂ فاتحہ یا اس کا کوئی جزو نہیں پڑھا تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔(کتاب المسائل،۱/ ۳۲۹)

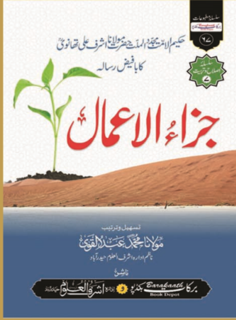
سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کا حکم

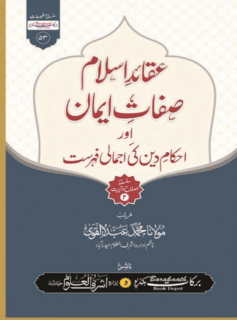
سوال: اگر سیلاب میں بہہ کر کوئی چیز آ جائے تو کیا لینے والا اس کا مالک ہو جائے گا؟

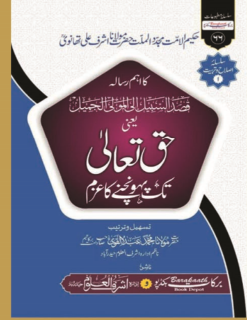
جواب: سیلاب وغیرہ میں بہہ کر آئی ہوئی چیزوں کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ لقطہ کی طرح ہیں، اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ مالک کو تلاش کر کے اس کو حوالہ کیا جائے ، ہاں! اگر خود غریب ہو تو استعمال کی گنجائش ہے لیکن اگر مالک آئے اور مطالبہ کرے تو اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے گا۔(محقق مدلل جدید مسائل،۲/ ۲۰۸)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

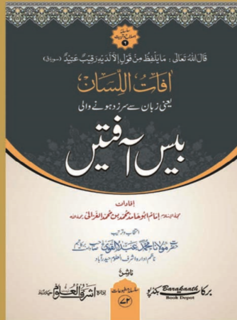
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Apr-24, date of Posting 5th Apr-24

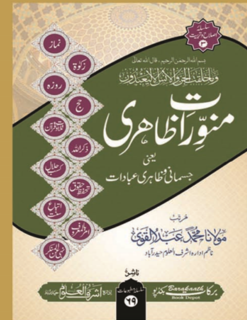


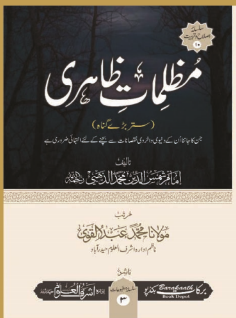


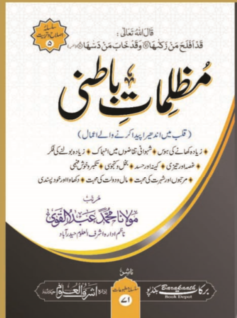


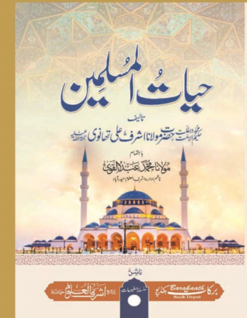












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59